کلمۂ توحید کا سفر
سید حفیظ الرحمٰن

کلمۂ توحید کا سفر

مصنفہ
سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تعارف

تعریف کے قابل ہیں یارب تیرے دیوانے
آباد ہوئے ہیں جن سے دنیا کے یہ ویرانے

رب رحیم و رحمان کے دیوانوں کی سرگزشت کو ہماری محترم بہن سیدہ حفیظہ الرحمن صاحبہ نے یوں مختصر کر دیا ہے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس سے پہلے اپنی کتاب "تخلیق الاوّل" میں انہوں نے اِن دیوانوں کے سردار پاک محمد مصطفےٰ نبیوں کے سردار کی تخلیقات کو بڑے پیارے انداز میں طبع کروایا تھا۔ پھر اُس سردار سے جسمانی اور روحانی تعلق رکھنے والوں کا اپنی دوسری تصنیف "قرۃ العین" میں ایک اچھوتا نقشہ کھینچا کہ عمل کرنے والوں کے لئے تو وہ کتاب واقعی قرۃ العین ثابت ہوگی مگر پڑھنے والے قارئین کی آنکھوں کو بھی خوشی کے جذبات کے آنسوؤں سے ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ کم سے کم مجھے تو اس سے یہی تجربہ ہوا۔ پھر تیسری تصنیف "دستک" اسم بامسمیٰ ہے کہ پڑھنے والوں کے دلوں پر خوب دستک دیتی ہے۔ اور انہیں نماز باجماعت کی خوبیوں سے آگاہ کرکے اس پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کے لئے تیار بھی کر دیتی ہے۔ اب موجودہ موضوع "کلمہ توحید کا سفر" بھی اہل دل اور اہل نظر کے دلوں اور آنکھوں کو کھولنے والا ثابت ہوگا۔ اور یقیناً اس کے پڑھنے کے بعد قارئین بھی اہل حق کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اور اس طرح قیامت کے دن کلمہ کی شہادت دینے والوں میں اٹھیں گے۔ اور یہی ہماری دعا ہے۔

کلمہ طیبہ کے علمبرداروں پر ظلم و ستم کا تازہ ترین دور جماعت احمدیہ پر آج سے

ایک صدی پہلے شروع ہوا۔ اور مختلف رنگوں سے اپنا رنگ بدلتے ہوئے پاکستان کے آمر مطلق (جس نے پاکستانی لوگوں کا ۱۱ سال تک ناک میں دم کر رکھا تھا) کے زمانے میں اپنی انتہاء کو پہنچا۔ اس ڈکٹیٹر نے جماعت احمدیہ کو کینسر قرار دے کر اُسے جڑ سے اکھاڑ دینے کا نہ صرف عزم بار بار دہرایا بلکہ قسما قسم کے قوانین نافذ کر کے اپنی تعلّی کو پورا کرنے میں ہر قسم کا زور آزمایا۔ مگر آخر ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو تقدیر خداوندی غالب آئی جس کا اعلان پہلے سے کر دیا گیا تھا۔

"ہے ازل سے یہ تقدیر نمرودیت
آپ ہی آگ میں اپنی جل جائے گی "

اور عجیب بات تو یہ ہے کہ اس نمرود نے تو اپنی زندگی میں خود ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ دو آگوں کے درمیان جل رہا ہے۔ اوپر سے آگ اور نیچے سے بھی آگ ......

اس عظیم نشان پر جتنا بھی غور کریں نتیجہ یہی سامنے آتا ہے۔

قادر ہے وہ بارگاہ ٹوٹا کام بناوے
بنا بنایا توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پاوے

اس اہم درد کی تفصیلات تو بڑے عمدہ پیرایہ میں اس کتاب میں آپ پڑھیں گے ایک بات ذہن میں اُبھرتی ہے اس پر بھی غور کریں۔ اس دور کے آمر نے اپنی ہر قسم کی طاقتوں کو کام میں لاتے ہوئے جہاں ظلم وستم کی رات کو تاریک ترین بنا دیا وہاں ان ظلم کے تختہ مشق بننے والوں نے بھی صبر و استقامت کا وہ نمونہ دکھایا کہ آج ہم بلا مبالغہ حضرت مسیح موعودؑ کا یہ شعر ان کے لئے دہرا سکتے ہیں۔

صحابہ سے ملا جس نے مجھ کو پایا

پھانسی کی سزا سن کر الحمد اللہ کا ورد کرنے والوں نے کال کوٹھڑیوں میں تین سال ایسے رنگ میں گزارے کہ اُن کے سر پر پھانسی کی تلوار ہر وقت لٹک

رہی تھی۔ آخر ایک عورت کو خدا تعالیٰ نے پاکستان کا وزیر اعظم بنایا اور اس نے مردوں سے بڑھ کر جرأت کی اور کال کوٹھڑیوں کے باسیوں کو وہاں سے نکالنے کا حکم دیا۔ اور جب ان کال کوٹھڑیوں سے نکلنے کے بعد ملاقات ہوئی تو عجیب جذبات تھے۔ قرآن مجید میں حضرت یونس علیہ السلام والا واقعہ یاد آگیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اپنے پیارے کو مچھلی کے پیٹ میں سے تین دن کے بعد زندہ نکال دیا۔ ان تین سالوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ اسیران راہ مولیٰ کو پھانسی پر لٹکانے کے منصوبے ظالم آمر نے بنائے تھے مگر خدا نے اپنے فضل سے یہ نشان پورا فرمایا:

اے غلامِ مسیح الزماں ہاتھ اُٹھا
موت آبھی گئی ہو تو ٹل جائے گی

پس جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے

الغرض

پھولیں پھلیں گے ہر دم کلمہ پھیلانے والے
مٹ جائیں گے جہاں سے کلمہ مٹانے والے

والسلام
محمد اسماعیل منیرؔ

۱۴ار فروری ۱۹۸۹ء ربوہ

فہرست مضامین

انتساب

کلمہ توحید کا سفر اُن عظیم مسافروں کے نام معنون کرتی ہوں جنھوں نے اپنی زندگی کے سفر میں ہمیشہ مشعلِ محبت جلائے رکھی۔ اور جب خالق کے حضور حاضر ہوئے تو ان کی قربانیوں نے انھیں ابدی حیات عطا کی۔ دعا ہے کہ اس مشعل حق الیقین کو خدا تعالیٰ ہماری نسلوں میں بھی تا قیامت روشن و تابندہ رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن
2/A - 51 گلشن اقبال
کراچی

بسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیمِ　　نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریمہ

پیش لفظ

ایک دن جولائی کی دوپہر میں چلچلاتی دھوپ سے جھلسی ہوئی جامعہ کی بس فراٹے بھرتی جارہی تھی جونہی سفاری پارک سے گزرتے ہوئے سرسبز و شاداب حدود جامعہ کراچی میں داخل ہوئی۔ تو بس میں بیٹھے میری نظر کھڑکی سے باہر ایک پوسٹر پر جا پڑی جہاں میں چلتی بس سے صرف لفظ "قادیانی" پڑھ سکی۔ یہ لفظ میری تمام بصارت کو جگا دینے کے لئے کافی تھا۔ سٹاپ پر اُتری اور پوسٹر پڑھنے کے لئے چند قدم پیچھے گئی تو پوسٹر "کلمہ طیبہ کی مُہم اور قادیانی" چھپاں تھا۔ کلمہ کی مُہم چہ معنی دارد؟ وُہیں میرے قدم جم گئے۔ اچھا تو کلمہ کی مہم کے لئے بھی قادیانی حضرات کے کندھے درکار ہیں۔ جامعہ کی تزئین میں اس نوعیت کے پوسٹروں کو دیکھ کر مجھے مذہب کے ٹھیکیداروں پر حیرت ہوئی۔ جنہوں نے علم حاصل کرنے والے معصوم ذہنوں کو مسموم کرنے کے لئے عجیب منطق استعمال کی ہے؟ کیا جراَت پائی ہے؟

قادیانیوں کی کلمہ مہم

یہ پوسٹرز "کلمہ طیبہ کی مُہم اور قادیانی" یہ میرے لئے لمحہ فکر تھا۔ اور یہ سوال طوفان کی طرح میرے سامنے اُمنڈنے لگے۔

(۱) کلمہ طیبہ کی مہم کیا ہے؟ کیوں ہے؟

(۲) کن حالات سے درپیش ہے؟

(۳) وہ کلمہ توحید جس کی تاریخ جنم تخلیق الارض والسماء سے منسلک ہے آج کیوں باعث نزاع ہے؟

(۴) آخر یہ قادیانی مخلوق کونسی ہے جو کلمہ طیبہ کی مہم میں دار پر لٹکائی جا رہی ہے؟
(۵) وہ آخر یہ کون ہیں جو آدوبین کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں؟

یہ چند سوالات بگولے کی طرح میرے اعصاب پر چھا گئے کہ میں مجوزہ کام سے لوٹ تو ایک عزم کی لہر میرے وجود میں سرایت کر چکی تھی اور وہ آج "کلمہ توحید کا سفر" کی صورت میں آپ کے ہاتھ میں ہے۔ سب سوالوں کا جواب پڑھ کر آپ کو یقیناً اندازہ ہو گا کہ اس سرزمین پر ایسے لوگ بھی ہیں جن کو اکثریت اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ کلمہ طیبہ کی محبت کی شاخ اپنے ہاتھ سے کاٹ دیں جبکہ ہم اس "شاخِ نہال" کی آبیاری اپنے خون سے کرتے ہیں۔

اَلحمدُ اللہ علیٰ ذالِکَ

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مقدّمہ

اس سفر کی ابتدا رحضرت آدم علیہ السلام سے میں نے شروع کی ہے اور اُس سچے قول کو جس سے وحدانیت کا پرچار ہوتا ہو کلمے کا نام دیا ہے۔ یوں تو قرآنِ مجید میں کلمہ کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً بشارت، نشان، لفظ، یا قول یا ہر وہ چیز جو مادی سامانوں کے بغیر محض آراۂ الٰہی سے بنائی ہو وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا

" چونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بنی اسرائیل کے آخری نبی تک کوئی کلمہ نہ تھا یعنی پہلے کسی نبی کا کوئی کلمہ نہ ہوتا تھا۔ صرف محمدِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم وجۂ تخلیقِ کائنات نے کلمۂ طیبہ پیش کیا تھا کیونکہ اگر پہلے خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی نبی کا نام لگایا جاتا تھا اور پھر اسے ہٹایا جاتا تو یہ بے ادبی ہوتی پس صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی خدا تعالیٰ کے ساتھ لگایا گیا ہے کیونکہ محمدؐ رسول خدا کے نام کو قیامت تک چلنا تھا۔" چنانچہ یہ محض سرورِ کائنات محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہے کہ آپؐ کو ایک کلمہ دیا گیا ہے چنانچہ ۱۹۸۴ء میں جب یہ کلمۂ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پاکستان کے حکام کے ہتھے چڑھا تو انھوں نے کیا کیا صورتیں پیدا کیں ؟ اس سفر میں آپ ملاحظہ فرمائیں اور قارئین پھر پڑھ کر ضرور انصاف کی آنکھ سے دیکھیں اور یقین کریں کہ اوّلین کا زمانہ عود آیا ہے اور آخرین یہی قادیانی حضرات ہیں۔ جو سورہ جمعہ کی آیت مندرجہ ذیل کے سو فیصدی مصداق ہیں۔

" وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

یعنی ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی وہ اس کو بھیجے گا جو ابھی تک ان سے

ملی نہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

نوٹ:- "اِس آیت میں اُس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ۔ یہ آخرین کون؟ تو آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِنْ فَارِسَ ۔ (بخاری) یعنی اگر ایک وقت ایمان ثریا تک بھی اُڑ گیا تو اہل فارس میں سے ایک یا ایک سے زیادہ لوگ واپس لے آئیں گے۔ اس میں مہدی موعود کی خبر ہے۔" [۲]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

هو النّاصر

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

کلمۂ توحید کا سفر

باب اول

حضرت آدم علیہ السلام

(لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ) چند لفظوں پر مشتمل یہ کلمہ اپنے اندر ایک ایسی دنیا رکھتا ہے۔ جس کے ہر خطہ میں یکتائی ہے۔ لیکن اس کی معرکتہ الآراء عظمت کے تجزیئے سے پہلے دیکھتے یہ ہیں کہ اس کا وجود کب سے ہے؟ تاکہ اس کے سمجھنے میں سہولت ہو اور حدود اربعہ سے گہری واقفیت ہو جائے۔ ماضی کے میدان میں ذرا بہت پیچھے چلئے تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چھ دنوں میں تخلیق عالم مکمل کی تھی اس کا آخری دن جمعہ تھا۔ اس جمعے کی شام کو عصر کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس کے بعد ہفتے کے دن عرش کی طرف متوجہ ہوا۔ اس عرش کی طرف توجہ کی جس کے اوپر

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا تھا![1]

گویا چھ دنوں میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ضروریات کو پورا کیا اور ان کے لئے کائنات الارض والسماء کو سجایا۔ بعد میں آدم علیہ السلام کو جمالی اور جلالی طاقتوں سے پیدا کر دیا اور ان کی پیدائش کی غرض یہی رکھی کہ دنیا میں جا کر صفاتِ الٰہیہ بیان کریں۔

[1] نشر الطیب

یعنی انسانی پیدائش کی غرض ہی اَلَّا تَعبدوا الا اللہ کو قرار دیا۔ سوائے خدا کے ہرگز ہرگز کسی کی پرستش نہ کی جائے۔ کائنات کی غرضِ پیدائش سے ثابت ہوا کہ کائنات کی بنیاد ہی اس کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر رکھی گئی ہے اور یہی توحید ہے جس میں تمام دُنیا کی حقیقت پنہاں ہے

چنانچہ اس توحید کے بول میں اِلٰہٌ کا جو لفظ آتا ہے اس کے معنی ہیں۔ مقصود، معبود، مطلوب یعنی ایسا محبوب اور معشوق جس کی پرستش کی جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی اللہ کا مقام پاجانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ ہی محبوبِ حقیقی ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ "اللہ" جو خدا کا ذاتی نام ہے اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور کے لئے مستعمل نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ عرب کے مشرک بھی کسی اور معبود کیلئے یہ لفظ نہیں بولتے تھے[1] گویا اللہ کا نام ازلی اور ابدی ہے اور اس نقشِ اوّل کا کمال یہ ہے کہ نہ یہ لفظ کسی سے بنا ہے اور نہ اس سے کوئی لفظ بنے گا۔ پس اللہ کا لفظ اپنی صفات میں کامل ہے۔ گویا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے معنی یہ ہوئے کہ لا معبود لی ولا مقصود لی ولا مطلوب لی الا اللہ۔

پس یہی سچّی توحید ہے کہ ہر مدح وستائش کا مستحق اللہ تعالیٰ کو ہی ٹھہرایا جائے[2] اس مدح وستائش اور عظمت کا اقرار "نَحنُ نسبحُ وبحمدك ونقدس لك" کہتے ہوئے ساتویں دن آسمان پر فرشتے بھی کر رہے تھے۔ فرشتوں کے ساتھ ساتھ انسانوں کی زبان پر جب سلسلۂ وحدانیت کا ذکر آیا تو وہ دن تخلیقِ کائنات کا پہلا ہی ہفتہ تھا۔ یعنی ابتدائی دور تھا۔ گویا اس ابتدائی دور سے لے کر آخری دور تک تمام انبیاء کا مشترکہ مشن ایک ہی تھا اور وہ تھا وحدانیت کا پرچار کرنا اگرچہ تعلیم مشنیہ بعض شعبہ جات میں مختلف تھی لیکن وحدانیت کا پیغام مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ جو سب کے لئے ایک ہی تھا اور یہی نقطہ الوہیت تھا جس پر وہ سب ہمیں یکجا نظر آتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ دنیا میں سب سے بڑا "صدق لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے" اور آدم

---

[1] مخزن معارف ص۲۸ [2] ملفوظات جلد 2 ص۲۴

علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو انھوں نے بھی سب سے پہلے عرش پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا دیکھا تھا۔ پس عرش جو اللہ تعالیٰ کا تخت گاہ ہے۔ اس کو کلمۂ توحید کے لفظوں سے مزیّن دیکھ کر آدم علیہ السلام نے وہ عظیم ذمہ داری قبول کر لی جس سے فرشتوں نے بھی پناہ مانگی تھی آدم علیہ السلام کے متعلق انجیل میں درج ہے "کہ جب آدم" اپنے پیروں پر کھڑا ہوا تو اُس نے آسمان پر ایک تحریر سورج کی طرح چمکتی دیکھی۔ جس کی عبارت یہ تھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تب آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔ اے میرے پروردگار اللہ میں تیری منت کرتا ہوں۔ تو مجھے خبر دے کہ ان کلمات کے معنی کیا ہیں؟ تب اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ مرحبا ہے تجھ کو اے میرے بندے اور میں تجھ سے کہتا ہوں کہ یہ شخص جس کو تونے دیکھا تیرا ہی بیٹا ہے۔ جو بہت سال بعد دنیا میں آئے گا اور وہ میرا رسول ہوگا کہ اس کے لیے میں نے سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ رسول جب آئے گا۔ دنیا کو ایک روشنی بخشے گا۔ یہ وہ نبی ہے کہ اس کی روح ایک آسمانی روشنی میں ساٹھ ہزار سال قبل رکھی گئی تھی۔ پس آدم نے بمنت عرض کی کہ اے پروردگار یہ تحریر مجھے میرے ہاتھ پر عطا فرما۔ تب اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کو یہ تحریر اس کے دونوں انگوٹھوں پر عطا کی داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر محمد رسول اللّٰہ کی عبارت درج فرما دی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کلمات کو پدری محبت کے ساتھ بوسہ دیا اور اپنی دونوں آنکھوں سے ملا اور کہا کہ مبارک ہے وہ دن جس میں تو آنے گا۔" (انجیل برنباس)

چنانچہ کلمۂ توحید کی راہ گزر متعین کرنے کے بعد یہ امر وضاحت طلب ضرور ہے کہ آدم علیہ السلام سے نسل انسانی کی ابتداء ہوئی ہے یا یہ کہ ان کے زمانہ میں کوئی اور بشر تھا؟ تو جواباً عرض ہے کہ "قرآنِ کریم کے نزدیک بشر کی پیدائش یکدم نہیں ہوئی اور آدم علیہ السلام سے اس کی ابتداء نہیں ہوئی بلکہ آدم علیہ السلام بشر کی اس حالت کے پہلے مظہر تھے۔ جب وہ حقیقی طور پر انسان کہلانے کا مستحق ہوا اور شریعت کا حامل ہونے کے قابل ہوا گو کہ آدم علیہ السلام روحانی لحاظ سے ابوالبشر ہیں۔ کیونکہ روحانی

دنیا کی ابتدا ان سے ہوئی اور وہی پہلے ملہم تھے لیکن جسمانی لحاظ سے ضروری نہیں کہ وہ سب موجودہ انسانوں کے باپ ہوں [1] پس انسانی نظام کی پہلی روحانی کڑی صرف آدم علیہ السلام کا ہی کامل وجود تھا جسے خدا تعالیٰ نے خلافت کے لئے چن لیا اور ان کی فرمانبرداری کا فرشتوں کو حکم دے دیا گیا اور رسالت جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا کی، اس کے فرائض منصبی انھوں نے خوب ادا کئے عبادت گاہیں تعمیر کیں کعبہ شریف جو کہ بیت العتیق کے نام سے مشہور ہے۔ اور دنیا کی پہلی عبادت گاہ ہے وہ بھی قرآن مجید کی رُو سے آدم علیہ السلام نے ہی تعمیر کی تھی۔ چونکہ پہلے ملہم حضرت آدم علیہ السلام کو، قوّتِ الہام عطا کر کے صفاتِ الٰہیّہ کا علم دیا تھا۔ سو انھیں خدا تعالیٰ کے دشمنوں کے قوی ہونے کا اور شدید مخالفتوں کا پہلے سے ہی علم تھا۔ اس لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ نظام عالم کو اس کی تائید میں لگا دیں۔ پس بالا تمہید سے مراد یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے کلمۂ توحید کا سفر شروع ہوا۔ اور یہی نقطہ آغاز تھا اور اس وقت سے لے کر آج تک تمام انبیاء علیہ السلام اپنی اپنی تعلیم اور اپنا اپنا پیغام انسانوں کی طرف لے کر آئے لیکن مرکزی حیثیت جو چیز رکھتی تھی وہ فقط وحدانیت ہی تھی۔ اور وہی نقطہ ایک ایسا تھا جس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار مامورین ہمیں یکجا ملتے ہیں) لہٰذا کلمۂ توحید کو ابتدا آفرینش سے لے کر ہم آگے چلتے ہیں۔

---

[1] تفسیر کبیر حصہ اوّل صفحہ ۲۹۴۔

باب دوم

حضرت ابراہیم علیہ السلام

اگرچہ تمام انبیاء علیہ السلام کی زندگیاں ہمارے سامنے نہیں ہیں پھر بھی وہ انبیاء جس کا نام تاقیامت ہمارے قرطاسِ حافظہ میں زندہ رہے گا اُن کے شب و روز میں ہم جلوۂ توحید دیکھتے ہیں اور جائزہ لیتے ہیں کہ اپنے دورہ بعثت میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے پرچم تلے لوگوں کو اکٹھا کرنے میں کن کن مصائب کا انھیں سامنا ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں ایک شخص آذر نامی کے گھر پیدا ہوئے تھے، اُن کی قوم ستارہ پرست تھی۔ ان کے والد کی تجارت بُت فروشی تھی لیکن حضرت ابراہیمؑ بچپن سے ہی شرک سے بیزار تھے اور شرک کی بُرائی باپ کی زندگی میں ہی ان پر ظاہر ہو گئی تھی اس لئے وہ اپنے والد کو اکثر نصیحت کرتے اور منع کرتے تھے۔ یہودی روایت میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ باپ نے انھیں دوکان پر بٹھا دیا کہ اگر کوئی بُت خریدنے کے لئے آئے تو بُت دے دینا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک بوڑھا شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں بُت خریدنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے پوچھا کون سا بُت لیں گے؟ اُس نے ایک بُت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں یہ بُت خریدنا چاہتا ہوں۔ وہ اُٹھے اور بُت لا کر اس کے سامنے رکھ دیا اور پھر پوچھا آپ کی عمر کیا ہے؟ بوڑھے نے کہا۔ میری عمر تقریباً ستر سال ہے! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ یہ بُت تو ابھی کل ہی بن کر آیا ہے اور آپ ستر سال کے ہو چکے ہیں۔ کیا اتنی بڑی عمر کے ہو کر آپ کو شرم نہیں آتی کہ اس بُت کے آگے سر جھکائیں جو کل ہی بن کر آیا ہو۔ اس بوڑھے

پر اس کا ایسا اثر ہوا کر وہ اس بُت کو چھوڑ کر چلا گیا۔ جب ان کے بھائیوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے باپ سے شکایت کی کہ ہمارے گاہک خراب کرتا ہے۔ باپ نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کر ٹھیک ہے بُت تو ابھی کل ہی بن کر آیا تھا کیا وہ بڑھا اُس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اچھا لگ سکتا تھا۔ تو آذر نے انتہائی رنج میں آکر انھیں گالیاں دیں۔ اور ملامت کی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی لعنت و ملامت کی قطعی پرواہ نہ کرتے ہوئے بیزاری کا اظہار کیا۔ اور اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے بزرگ باپ! تو کس کی عبادت کرتا ہے۔ جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور مزید صفاتِ الٰہیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بزرگ!! مجھے خدا کی طرف سے وہ علم ملا ہے جو تمہیں نہیں ملا۔ پس تو میری اتباع کر کہ میں تجھے ایسا راستہ دکھاؤں گا جس میں نہ زیادتی پائی جاتی ہے اور نہ کمی یعنی نہ افراط ہے نہ تفریط۔ باپ یہ سُن کر کہ میرا ہی بچہ اپنا ہی تربیت یافتہ اور میرا ہی مرہونِ منت میرے معبودوں کو شیطان کہتا ہے۔ آگ بگولا ہو گیا اور کہا کہ اگر تو باز نہیں آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ تجھے قتل کر دوں گا اور تجھے اپنے گھر سے نکال دوں گا۔ لوگوں کے سامنے تجھ سے نفرت کا اظہار کروں گا لیکن جس نے اپنے معبودِ حقیقی خالقِ مطلق کو پا لیا ہو اس کے باز آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ بچپن سے ہی بتوں کو نیست و نابود کرنا اور چھڑی سے توڑ توڑ کر ڈھیر کر دینا علامت ہی اس امر کی تھی کہ وہ اپنے اَللّٰہ کو بت کی شکل میں دیکھ کر تسکینِ قلب نہیں پاتے تھے بلکہ وہ جان گئے تھے کہ اُن کا معبود تو ایسی ہستی ہے جو مافوق الوجود ہے جس کے نہ ڈوبنے کا خوف ہے نہ چھپ جانے کا اندیشہ ہے اور انسانی ہاتھوں سے تخلیق نہ ان کا مقدر ہے اور نہ اس کا کوئی خالق ہے۔ پس وہ مٹی کا پتلا جس کو کل ہی انسانی ہاتھوں نے بنایا تھا۔ دوسرا انسانی ہاتھ اس کو سجدہ کرنے کے لئے خرید لیتا ہے۔ معبود قطعی نہیں ہو سکتا۔ یہ یقیناً کوئی اور ہستی ہے جو تمام عیبوں سے پاک ہے۔ نہ سوتی ہے نہ اونگھتی ہے نہ باپ ہے نہ بیٹا۔ پس حضرت ابراہیمؑ یقینِ محکم کے ساتھ کلمہ بردار ہو کر نکل پڑے وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ کا راگ الاپنے والے ابراہیمؑ جس طرف

نکلے مخالفت کا سیلاب اُمڈ آیا ۔ وحدانیت کی گواہی دینے والوں کا حشر ہمیشہ مخالفین اپنے ظرف کے مطابق کرتے ہیں۔ چنانچہ ستارہ پرست قوم نے اپنے ظرف کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کو شعلوں کے سپرد کر دیا ۔ چونکہ انسانوں کے حساب کے مطابق ان کا مقدر آگ ہی تھا۔ لیکن جو صرف جلایا کرتی ہے اور جس کے لغوی اور تمثیلی معنے ہمیشہ حرارت کے لئے گئے ہیں ۔ جب بھی انبیاء علیہ السلام کو یہ حرارت چھوتی ہے تو اپنی مخصوص صفت بھی بھول جاتی ہے ۔ وہ جلانے کی بجائے خدا کے حکم سے ٹھنڈی ہو کر گلزار بن جاتی ہے۔ ہاں وہی آگ جو انسانوں کو جلاتی تھی خدائے ابراہیمؑ کے تصرف میں تھی ۔ پھر کیا حشر ہوا اُس آگ کا کہ وہ اپنی ہی صفت و خصوصیت پر نادم ہو گئی ۔ اور گلزار کی صورت میں تبدیل ہو کر تسکین کا ہی باعث بنی ۔ اُدھر ابراہیمؑ کا خدا جو اپنے محبوب نبی کی حفاظت پر کھڑا تھا آگے بڑھا۔ اور "لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِی" کا نظارہ پیش کر دیا۔ ایسے وقت میں خدا کے محبوب کا پلڑا کتنا بھاری ہو جاتا ہے ۔ جب خدا تعالیٰ دشمن کی جلائی ہوئی آگ میں اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے ۔ دشمن خوش ہے کہ آج وہ انسان جس کا ہاتھ ہمارے معبودوں کی گردن تک گیا تھا ۔ آگ کے ہاتھوں راکھ کا ڈھیر ہو کر ہمیشہ ہمیش کے لئے عبرت کا سامان بن جائے گا اور آئندہ کوئی روئے زمین پر میلی نگاہ سے بھی ۔ ان بتوں کو دیکھنے کی جسارت نہیں کرے گا

لیکن

خدائے واحد نے کلمۂ توحید کے علمبردار حضرت ابراہیمؑ کو اپنی دستِ قدرت سے عین الیقین سے اٹھا کر حق الیقین کی منزل میں لا کھڑا کیا اور یہی معجزہ کا معراج تھا کہ ستر سالہ ایک بزرگؑ اپنی قوم کا معتوب انسان لمحہ بھر میں خدا تعالیٰ کا محبوب ترین انسان بن گیا اور خدا نے وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۔ فرما کر نواز لیا [۱] اللہ واحد کا سلوک دیکھیں اپنے پیاروں سے کہ فرماتا ہے ۔ "ہم نے اپنی رحمت ہی ان کے حوالے کر دی۔ ہم نے کہا

---

[۱] سورہ مریم آیت ۵۱

ایک ایک چیز کیا دینی ہے چلو ہم اپنی رحمت ہی ان کے حوالے کر دیتے ہیں - گویا انھیں عمر عیار کی زنبیل مل گئی کہ جس چیز کی ضرورت ہوئی ہاتھ ڈالا اور نکال لی [۱]

خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت و رحمت سے کیسی تعریف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کی کیسی زبان آپ کو نصیب ہوئی اور کیسے فضائل آپ کے دروازہ پر بھیج دیے یعنی زبان آپ کو عطا کی کہ وہ بڑی اعلیٰ درجہ کی باتیں کرتے تھے - نہایت پُر حکمت اور ہر قسم کے بغض و کینہ سے پاک دلوں میں نورِ ایمان پیدا کرنے والی اور اخلاق و پاکیزگی کو ترقی دینے والی باتیں نصیب ہوئیں حد تو یہ ہے کہ کیسا توکل اور فنا فی اللہ ہونے کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کی کہ وہ خدا کے ہو گئے اور خدا ان کا ہو گیا۔ ایک دفعہ حضرت ابراہیمؑ کو جب کفار نے آگ میں ڈالا تو فرشتوں نے آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو کوئی حاجت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "بلیٰ و لکن الیکم لا" ہاں حاجت تو ہے مگر تمہارے آگے پیش کرنے کی حاجت نہیں - فرشتوں نے کہا - اچھا خدا تعالیٰ کے ہی کے آگے دعا کرو - تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا علمہٗ مِنْ حَالِیْ وَحَسْبِیْ مِن سوالی - وہ میرے سے ایسا واقف ہے کہ مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں [۲]

تو یہ تھا خدا تعالیٰ کے متوکل کا جواب کہ وہ خدا کے سوا تمام الٰہوں کی نفی کرتا ہے - اور یہ ایک لطیف درجہ کا توکل تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے کلمہ پر کامل ایمان لانے کا نتیجہ تھا - لیکن اسی کلمہ کا پرچار ان کو آگ تک لے گیا۔ ماں باپ چھڑوا کر ہجرت کرائی - پتھراؤ اور قتل کی دھمکیاں نصیب ہوئیں لیکن روزِ اوّل سے یہ نوشتۂ تقدیر بنا دیا گیا ہے کہ خدائے واحد اور اُس کے فرستادہ ہی غالب ہو کر رہتے ہیں اور مخالفین و مشرکین ہمیشہ ناکام و نامراد ہوتے ہیں - آج بھی خدا نے وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا [۳] فرما کر حضرت ابراہیمؑ کو انسانی عظمت کی بلندی عطا کر دی - قیامت کے دن آخری گھڑی تک کو یہ دُعا سکھا دی گئی کہ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آلِ محمّدٍ کما صلّیت علیٰ ابراھیمَ وعلیٰ آلِ ابراھیمَ

[۱] تفسیر کبیر صفحہ ۲۸۶ [۲] ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۱ [۳] سورہ بقرہ - آیت ۱۲۴

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

گویا زبان بھی ملی تو بلند ملی اور تعریف بھی ملی تو بلند ملی اور انعامات بھی ملے تو یکتا اور لاثانی ملے۔ دوسری طرف خدا تعالیٰ کے انعامات کا وارث فرمانبردار حضرت ابراہیم علیہ السلام ورثہ میں بھی صرف توحید ہی چھوڑ کر گیا۔ اور خدا نے توحید کی برکت سے ورثہ حاصل کرنے والے وارثین کو ایسا نوازا کہ قیامت تک ان کی نسل سے نبوّت کا وعدہ فرما دیا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَنَا دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ[1]

گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیا بلکہ انھوں نے اس بات کا بھی انتظام کیا کہ ان کی اولاد بھی ایسی ہی بنے انھوں نے دعاؤں میں اپنی اولاد کے لئے جو خصوصی بھیک مانگی۔ وہ توحید کے ورثہ کی بھیک تھی۔ وہ محبت اور نبوّت کی بھیک تھی اور وہ بھیک انھیں ملی اور امامت ان کے سپرد کر کے ان کے گھر کو امن کا مقام بنا دیا۔ یہ اسماعیلی اور اسرائیلی انبیاء ان کی دعاؤں کا نتیجہ ہی تو ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ایسی امامت ان کو عطا کی کہ ان کے کھڑے ہونے کی جگہ کو عبادت گاہ بنا دیا۔ اگرچہ یہ لفظی معنی ہیں۔ لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ فرماتے ہیں " کہ تم شدّت کے ساتھ مقام ابراہیمؑ کو عبادت گاہ بناؤ "، کہ مقامِ ابراہیمؑ کعبہ کے پاس ایک خاص جگہ ہے جہاں طوافِ بیت اللہ کیا جاتا ہے اور بعد میں دو سُنتیں پڑھنے کا حکم ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کے بعد اس جگہ شکرانہ کے طور پر نماز پڑھی تھی۔ اور اس سُنّت کو جاری رکھنے کے لئے وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی میں جس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ عبادت اور فرمانبرداری کے جس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے تھے۔ تم بھی اپنے آپ کو اسی مقام پر کھڑا کرنے کی کوشش کرو "[2]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدا تعالیٰ سے بے انتہا محبت۔ بے مثال توکل اور فنا فی اللہ ہونے کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں کیونکہ ان کا ہر عمل واضح کرتا ہے اور

---

[1] جامع البیان جلد اوّل صـ ۴۳۵ [2] سورہ بقرہ تفسیر کبیر صـ ۱۶۸

وحدانیت لانے میں اتنے بلند تھے کہ نہ صرف خدا تعالیٰ کی محبت میں خود فنا ہوئے بلکہ بیٹے کا سر بھی کوچہ معبود میں قربان گاہ پر رکھ دیا اور راز و نیاز کا سلسلہ خدا سے شروع ہوا تو فرمایا اے میرے مولا میں نے اپنی اولاد کو اس وادیٔ غیر ذی ذرع میں بسا دیا ہے میں نے اپنا بیٹا تیری محبت میں قربان کرنے کے لئے پیش کر دیا ہے میں نے ایک عاجز بندہ ہو کر تیری بندگی کا ثبوت دیا ہے۔ اب تو اپنی خدائی کا ثبوت دے اور وہ ثبوت میں تجھ سے اس طرح مانگتا ہوں کہ نہ یہ کمائیں بلکہ لوگ کما کر ان کے پاس لائیں اور لائیں بھی معمولی چیزیں نہیں بلکہ دنیا بھر کے بہترین پھل اور میوے لائیں اور ہر میدان میں سے انھیں وافر حصہ عطا ہو۔ آمین " سو توحید کے متوالے حضرات ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کیسے نوازا اور کس طرح دُنیوی اور روحانی ثمرات عطا فرمائے کہ انھیں نبیوں کا "جدِّ امجد" بنا دیا اور یہ سب ثمرات جو روحانی اور مادی ان کو نصیب ہوئے قطعی طور پر توحید کی برکات تھیں اور یہی کلمہ توحید کا معراج ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔
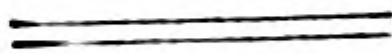
باب سوئم

حضرت موسیٰ علیہ السلام

يٰمُوسٰى إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورہ نمل آیت ۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور نبوت تمام تر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا جواب ہے۔ وہ دعائیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خالقِ حقیقی کے حضور پیش کی ہیں۔ وہ اپنے محبوب کے حضور اور آگے بڑھتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں کہ اے میرے مولیٰ! اب جب تو نے اپنی رحمت ہی میرے حوالے کر دی ہے تو تجھے تیری ہی رحمت کا واسطہ ہے کہ ہماری اولاد میں سے ہمیشہ ایک گروہ ایسا موجود رہے جو تیری وحدانیت کا پرچار کرتا رہے۔ تیرا مطیع و فرمانبردار ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ابراہیمؑ دعا کے نتیجہ میں ان کی اولاد کو ورثہ میں نبوت عطا کر دی اور اسماعیلیؑ اور اسرائیلی نبوت کے سلسلے جاری کر دیئے۔ کیونکہ الٰہی ہدایت کے سلسلے محدود نہیں ہوتے اور ہر زمانے کی ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ ہدایت بھجواتا رہتا ہے۔ جیسا کہ حضرت اسحاقؑ۔ حضرت یعقوبؑ۔ اور حضرت یوسفؑ کا سلسلہ نبوتِ الٰہی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ سنتُ اللہ کے مطابق احد کہنے والا ایک انسان ایک زعمیں ثانی کے زمانہ میں ایک اسرائیلی گھرانہ میں پھر پیدا ہوا۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جو اُنکی نسل کیلئے بھی بولا جاتا ہے اور قرآن مجید میں لفظ بنی اسرائیل (۳۸) اڑتیس مرتبہ آیا ہے۔ اس لئے ہم ان صفحات میں بھی لفظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آباؤ اجداد کے

لئے استعمال کرتے ہیں۔ مصر میں فرعون بنی اسرائیل کا سخت دشمن تھا۔ واضح ہو کہ فرعون کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں تھا۔ بلکہ مصر کے قدیم بادشاہوں کا لقب فرعون ہی ہوا کرتا تھا۔ جو عموماً سرکش اور مغرور کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ چنانچہ فرعونِ مصر نے بنی اسرائیل کے لڑکوں اور مردوں کو ہلاک کرنے اور عورتوں کو زندہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ایک ماں کو بذریعہ وحی اطلاع دی کہ اَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ یعنی "تو اپنے بچے کو تابوت میں رکھ دے" کیونکہ فرعون کی ریت کے مطابق اس بچے کا زندہ رہنا ناممکن تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس کو بچانے کے سامان پیدا کئے اور فرمایا کہ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ اور "اس تابوت کو پانی میں بہا دے اور یہ بات تجھے غم زدہ نہ کرے تیرا بیٹا تیرے پاس ہی واپس آئے گا۔" چنانچہ ان کی بہن دودھ پلانے کے لئے اپنی ماں کو ان کے پاس لے گئی۔ اس طرح بچے نے اگرچہ پرورش فرعون کے گھر میں پائی مگر دودھ اپنی ماں کا ہی پیا۔

المختصر بہت ہی نامساعد حالات میں سے گزر کر فرعونیت سے بچ بچا کر جب موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو انھیں خدا تعالیٰ نے توحید کی بلندی کے لئے چن لیا۔ وحیِ الٰہی کا حامل بنایا۔ اور ذریعۂ اصلاح بنا کر فرعون کی قوم کی طرف جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب سے پہلا حکم جو شریعتِ توحید کا آپ کو دیا گیا وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا ہی تھا۔" یعنی تمام جہانوں میں صرف میں ہی معبودِ حقیقی ہوں۔" ایک طرف اللہ تعالیٰ انسان کے لئے اس کی پیدائش کا مقصد بیان کرتا ہے۔ کہ صرف اور صرف عبادت کے لئے تجھے پیدا کیا ہے۔ دوسری طرف ساتھ ہی یہ نشان دہی کر دی۔ کہ عبادت جو تمہاری زندگی کا ماحصل ہے کس معبود کی ادا کرنی ہے؟ یعنی خدائے واحد لاشریک کی عبادت کا حکم دے کر توحید کی طرف مخلوق کا رُخ پھیر دیا اور تشنگی کہیں نہیں چھوڑی۔ فرمایا! اے موسیٰ! تم توحید کا پیغام لے کر قومِ فرعون کی طرف جاؤ۔ اور یاد رکھو:

" لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ " [1]

---

[1] سورۃ مجادلہ ۲۲

حسبِ دستورِ منکرینِ توحید اور "اللہُ وَاحِدُ" کے محبوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت شروع ہوتی ہے اور پھر پوری مخالفت جگہ لے لیتی ہے۔ یہاں تک کہ انھیں ہجرت پر مجبور کر دیا گیا۔ کیونکہ توحید کا پیغام سرکش و مغرور قوم کو کیسے منظور ہو سکتا ہے۔ جگہ جگہ اُن سے معجزات مانگے گئے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا تعالیٰ یعنی خالقِ کل دکھانے کا ہی مطالبہ کر ڈالا۔

آج حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکش بادشاہ کے دربار میں پھر حاضری ہے اللہ تعالیٰ کی سچائی اور واحدنیت کی دلیل میں انھوں نے کئی معجزات پیش کیے۔ لیکن فرعون حیران ہے کہ کیسے آج حق نے باطل کی رسیوں کو نگل لیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات کا سن کر فرعون پوچھتا ہے "یہ کیسا خدا تو نے پیدا کر لیا ہے؟ جو پہلے لوگوں سے کبھی نہیں سنا"۔

یہی تو حق و باطل کے فیصلے کا دن ہے جب دنیا کی عقل کام نہیں کرتی۔ تو ایسے وقت میں خدا تعالیٰ اپنے بندے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ اس پر انعامات کی بارش کرتا ہے۔ مضبوطیٔ ایمان کے لئے معجزات عطا کرتا ہے۔ چنانچہ جادوگر جو پہلے فرعون سے بھیک مانگتے تھے خدائی معجزات دیکھ کر واحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لے آتے ہیں اور اتنے دلیر ہو جاتے ہیں کہ فرعون کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تیری بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ہمیں زندگی پرواہ نہیں۔ ہمیں خوشی اس امر کی ہے کہ خدا کو ہم نے شناخت کر لیا ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں کفر کی طرف نہیں لے جا سکتی۔ ایسے میں توحید کی شہادت دینے والوں کی طاقت خدا کی طاقت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ سے ان کا تعلق اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ دنیا کی مصائب و مشکلات ان کی نگاہ میں بے حقیقت ہو جاتی ہیں۔ یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اذنِ الٰہی سے بنی اسرائیل کو لے کر رات کی تاریکی میں مصر سے نکل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو تنہا نہیں چھوڑتا۔ بلکہ فرماتا ہے کہ "سمندر میں سونٹا مار کر ان کے لئے خشک راستہ بنا دے"۔ رات کی تاریکی اور اندھیرے نے فرعون کو غافل نہیں کیا۔ بلکہ وہ اپنے لشکر سمیت تعاقب میں نکلا۔ اور قریب تھا کہ بنی اسرائیل کو جا دبوچتا لیکن اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام

کی پشت پر تھا۔ اور فرعونیت کا وہی حشر ہوا جو منکرین توحید کا مقدر ہوتا ہے ۔
" اس میں معجزہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایسے وقت میں سمندر کے سامنے پہنچایا کہ جب جزر کا وقت تھا ۔ اور اس نے مصریوں کے راستے میں اس قسم کی رکاوٹیں ڈالنی شروع کر دیں ۔ جن سے ان کی رفتار سست ہوگئی ۔ یہاں تک کہ پانی کے لوٹنے کا وقت آگیا ۔ اور فرعون جب سمندر پر پہنچا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر کے اس خشک ٹکڑے کا جس سے وہ گزر رہے تھے اکثر حصہ طے کر چکے تھے۔ فرعون نے انھیں پار ہوتے دیکھ کر جلدی سے اس میں رتھیں ڈال دیں ۔ مگر سمندر کی ریت جو گیلی تھی ۔ ان کی رتھیوں کے لئے مہلک ثابت ہوتی ۔ رتھیں پھنسنے لگیں کہ اس قدر دیر ہوگئی کہ مد کا وقت آگیا ۔ اور سمندر کا پانی بڑھنے لگا ۔ اب نہ وہ آگے بڑھ سکتے تھے نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے لہٰذا سمندر نے درمیان میں آلیا اور وہ غرق ہوگئے ۔ دشمن کو غرق کر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انعامات سے نوازا ۔ انھیں دشتِ سینا میں من وسلویٰ کی برکت عطا کی ۔ ہر طرح کے احسان و برکات سے ان کے ایمان کو مضبوط کیا ۔ اور ایسی ایسی نعمتیں عطا کیں جو تسکین قلب دیتی تھیں ۔ اور یہی مقدر ہوتا ہے الٰہی جماعتوں کا کہ خدا تعالیٰ ان کی پشت پر ہوتا ۔ اور ثابت کر دیتا ہے کہ

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا [1]
(تمہارا معبود تو صرف اللہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے)

---

[1] سورہ طٰہٰ ۔ آیت ۹۹ ۔

باب چہارم

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام

۲۵ دسمبر آج پھر دنیائے نبوت میں کلمۃ سواءٌ کا حامل انسان پیدا ہوا۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ بچہ اُس ماں کے پیدا ہوا جو خود معجزہ کے طور پر دعاؤں کے نتیجہ میں تولد ہوئی تھیں۔ اور ایک عظیم عورت تھیں۔ جن کے لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَہَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ " یعنی اے مریم اللہ نے یقیناً تجھے برگزیدہ کیا ہے اور پاک کیا ہے۔ سب جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں اور تجھے چن لیا ہے [1]

پس معجزاتی ماں کے معجزاتی بچے کو اللہ تعالیٰ نے آیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا فرما کر اپنی رحمت کا نشان بنایا اور بن باپ ہی پیدا کر دیا۔

بن باپ پیدا ہونا ایک معجزہ تھا۔ اور اس معجزہ کی وجہ یہی تھی کہ خدا تعالیٰ ابراہیمی نور کو بنی اسرائیل سے بنی اسماعیلؑ کی طرف منتقل کرنے والا تھا۔ ہمیں موضوع کی نسبت سے ان باریک دینی مسائل میں جانے کی ضرورت نہیں لیکن ایک ایسا مقام آئے گا کہ یہی بچہ نبی اللہ ہو کر یہودیوں کے نزدیک بوجہ اپنی معجزاتی پیدائش کے ناجائز قرار دیا جائے گا۔ اس لئے لازمی ہے کہ اس وجود کی پیدائش کے متعلق کچھ وضاحت کر لی جائے۔

---

[1] سورہ آلِ عمران۔ آیت ۴۳

حضرت مسیح ناصری کیوں بن باپ پیدا ہوئے اور کیسے ؟

بانیٔ سلسلۂ عالیہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے جامع کلام ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح ناصری کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ اور الٰہی نشان کے طور پر ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فعل اس لئے کیا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی نسل سے جو نبیوں کا سلسلہ چلا آرہا تھا۔ اور یہ سلسلہ اتنا لمبا ہوگیا تھا۔ کہ بنو اسحاقؑ کے خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ نبوت ان کے گھروں سے منتقل ہوکر اب کسی اور قوم میں چلی جائے گی۔ اس لئے انھیں ایک ٹھوکر کی ضرورت تھی اور ٹھوکر حضرت مسیح ناصریؑ کی بن باپ پیدائش تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک معجزہ تھا اور معجزہ ابتلاً کا رنگ لئے ہوئے تھا۔ بن باپ کی پیدائش کیسے ہوئی ہے؟ یہ چیز بھی قابل غور ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں۔"یہ ایک الٰہی راز ہے جو قانونِ قدرت سے بالاتر ہے۔ یا اگر قانونِ قدرت میں شامل ہے تو یہ ایک ایسا حصہ ہے جس کا انسان کو علم نہیں ہوسکا قانونِ قدرت کے بھی کئی راز ایسے ہیں، جن کو ابھی دنیا دریافت نہیں کرسکی۔ انھیں اسرار میں سے۔" بن باپ کی ولادت" بھی ہے۔ بہرحال وہ خدا جس نے کُنْ سے سب کچھ پیدا کیا ہے۔ وہ مادہ میں بھی نئے تغیر پیدا کرسکتا ہے [1]

جب یہ شخص جوان ہوا تو خدا کے اس پیغام کو لے کر دنیا کی طرف لوٹا جس کا وہ حامل تھا۔ لیکن دنیا نے اپنے معمول کے مطابق نئے پیغام کو سننے کے لئے آمادگی ظاہر نہیں کی۔ کیونکہ ہمیشہ مرسل کا پیغام اس کی زندگی کو اذیتوں کے سپرد کردیتا ہے۔ دوسری طرف ناخداؤں کی مُہر اُن کے دلوں پر ثبت ہوچکی ہوتی ہے۔ کہیں فسق و فجور کہیں تکبر، نخوت، ظلمت، اور ظلم کی زنجیروں نے انھیں جکڑ لیا ہوتا ہے اور یہ روایتی زنجیریں توڑنا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ سو وہ چاروناچار مخالفت کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح حضرت مسیح ناصری علیہ السلام جب نبوت کی عمر کو

---

[1] سورۃ مریم تفسیر کبیر

پہنچے تو پیغام توحید لے کر مخلوق خدا کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر جواب وہی پایا۔ جو انبیأ علیہم السلام یعنی توحید کے حاملین پاتے رہے ہیں۔ یہودیوں نے بھی وہی جواب دیا کہ

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ج لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ [1]

(یعنی اس پر کفار نے کہا ہم تو تمہارا اپنی طرف آنا منحوس قرار دیتے ہیں اگر تم اپنی ان باتوں سے رکو گے نہیں تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور تم کو ہماری طرف سے دردناک عذاب ملے گا)۔

یہود جو پہلے ہی ان کی پیدائش پر معترض تھے۔ اس لئے ایسے شخص کو جو پیدائش کے لحاظ سے ان کے زعم کے مطابق ناجائز ہو کیسے فرستادہ مان لیں۔؟ وہ اپنی تمام طاقت مجتمع کر کے مخالفت پر اُتر آئے انھوں نے توحد ہی کر دی اور اِلٰہٌ وَّاحِدٌ کا پیغام لانے والے انسان کو صلیب پر چڑھا کر دو طرح سے لعنتی قرار دینے کی ناکام کوشش کی، کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص مصلوب کر دیا جائے تو وہ لعنتی موت مرتا ہے ادھر چونکہ بن باپ کی ولادت کی وجہ سے لعنتی قرار دے رہے تھے۔ لہٰذا وہ یہ بھی ثابت کر رہے ہیں کہ دو لعنتیں کسی طرح بھی ایک انسان کو پیغامبر اور خدا کا فرستادہ باور نہیں کرا سکتیں ہیں۔ اگرچہ یہودیوں کے لئے وہ تعلیم جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ بہت نرم اور لچکدار تھی۔ اسے قبول کرنا ایک طرح سے مشکل نہیں تھا۔ مگر اہم امر ان کا وہ شرک تھا جس سے علیحدہ ہونا ان کے لئے موت تھا۔ اور مشرکین یہ موت گلے لگانے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے بلکہ وہ تو توحید پرست کا مقدر ہی موت بنا دینا چاہتے تھے چنانچہ صرف اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ کہنے والے انسان کو دار پر کھینچ دیا کیونکہ وہ تو شرک کی موت میں اپنی موت دیکھ رہے تھے۔ اور توحید کی پرچار کرنے والا انسان "حضرت مسیح علیہ السلام وہ انسان تھے جو مخلوق کی بھلائی کیلئے صلیب پر چڑھے۔ گو خدا کے رحم نے ان کو بچا لیا اور مرہم عیسیٰ نے ان کے زخموں کو اچھا کر کے آخر کشمیر

---

[1] سورہ یٰسین۔ آیت ۱۹

جنت نظیر میں ان کو پہنچا دیا۔ سو انھوں نے سچائی کے لئے صلیب سے پیار کیا۔[1]
چنانچہ یہودیوں نے ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ گو آپ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہی اُتار لئے گئے۔ اور زخموں سے شفا پانے کے بعد دوسرے انبیاؑ کی طرح آپ وہاں سے ہجرت کر گئے۔ کیونکہ خدائے واحد کا وہ بندہ جس کی موت اور پیدائش پر تمام انبیاء کی طرح خدا نے سلامتی نازل فرمائی ہو۔ اور وہ دار پر کیسے ہلاک ہو جاتا ہے سلامتی دینے والا خدا اُس کے ساتھ تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کئے کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر نہیں فوت ہوئے بلکہ "ظاہری موت" جمعہ کے دن تقریباً تین بجے کے قریب ہو گئی۔ ان کو وہاں سے آتارا گیا۔ اٹھایا گیا۔ اور پھر ایک جگہ پر لٹا دیا گیا۔ لیکن تیسرے دن صبح کو جو اتوار کی صبح تھی اور سولی کے صرف چالیس گھنٹے کے بعد وہ وہاں پر نہیں تھے۔
"حضرت مسیح علیہ السلام کو واقعہ صلیب کے تین دن بعد زخمی حالت میں ان کے بعض حواریوں نے دیکھا اور سخت خوفزدہ ہوئے۔ مگر حضرت مسیحؑ نے اُن کو تسلی دی۔ اور اپنے زخم دکھا کر بتایا کہ میں وہی مسیح ہوں جسے صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔[2]

معجزانہ ولادت والا انسان صلیب کی جان لیوا سختیوں سے معجزانہ طریق پر بچ کر زمین کے پیٹ میں یعنی ایک چھوٹے سے حجرے میں رکھے گئے تھے۔ جسے عیسائی بطور قبر استعمال کرتے تھے، طوالت کے خوف سے یہ کہنا کافی ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ اپنے وعدے پورے کرتا ہے۔ اور اس کا وعدہ ہے کہ "لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ" یہاں بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والا ایک فرستادہ دار سے بچا لیا گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھا کر ثابت کر دیا کہ اللہ کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جو کسی کی موت پر قادر ہو سکے۔ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی بھی تو یہی ہیں کہ اللہ کے سوا ہر چیز بذات خود کمزور ہے اور اللہ کی محتاج ہے۔

---

[1] تریاق القلوب صفحہ ۳۷۱ - [2] وصال ابن مریم صفحہ ۲۰

باب پنجم

حضرت احدیت خاتم الانبیاً "وجہ تخلیق کائنات کے ساتھ کلمہ دشمنوں کا سلوک"

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ (سورہ مریم آیت ۹۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تقریباً تین ہزار سال بعد چھٹی صدی عیسوی میں وہ مبارک ساعت آگئی جس کے لئے اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام کو بھیج کر ارتقاء کی منازل مکمل کی تھیں۔ آج بارہ ربیع الاوّل کو اس مبارک وجود نے حضرت آمنہ کی گود کو روشن کر دیا۔ جس کے لئے خدا نے لولاک لما خلقت الافلاک فرمایا تھا۔ یہ وہی پہلی تخلیق تھی جس کی خدا نے اس وقت خبر دی تھی۔ جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی کے دَو میں تھے۔ اور جن کے پیغام کو آدم علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں پر دیکھ کر اپنی آنکھوں کو روشن کیا تھا۔ وہ نورِ ابراہیمی چھٹے ہزار سال میں رحمۃ اللعالمین کی شکل میں دنیا کے سامنے آگیا۔ کیونکہ شرک نے نہ صرف زمین میں بلکہ آسمان میں بھی شور برپا کر دیا تھا۔ اور قریب تھا کہ آسمان و زمین جوش سے پھٹ جائے اور زمین کا سینہ چاک ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کیونکہ شرک کا دور دورہ زمین و آسمان اور پہاڑوں سب پر گراں تھا۔ اس لئے ایسے وقت اپنی صفتِ رحمانیت کے تحت خدا تعالیٰ نے بن مانگے بنی نوع انسان کے نجات دہندہ کو نازل فرما دیا۔ اور لاالٰہ الاّ اللہ فرما کر پہلا حکم ہی توحید کا عطا کر دیا۔

چونکہ توحید نام ہے صفاتِ الٰہیہ کو خدا کی طرف صحیح طور پر منسوب کرنے اور خدا تعالےٰ

کی صفات کو صحیح طور پر وہی شخص خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر سکتا ہے جس کو الہام الٰہی نے راہ نمائی کی ہو[1]

پس وجہِ تخلیق کائنات کو خدا نے بذریعہ وحی اطلاع دی اور کہا کہ "اُٹھ اور اعلان کردے۔ کہ میں خدائے واحد کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں جس کا علم مجھے حاصل ہے۔ اور جو صحیح اور سچا علم ہے۔ میں اُس کے نام پر تمہیں اس کی وحدانیت پر ایمان لانے کا پیغام دیتا ہوں۔ اگر تم میری بات نہیں مانوگے تو اللہ تعالیٰ کے حضور مجرم و گنہگار ہوگے کیونکہ میں اُس کا رسول ہوں اور اس کے نام پر کھڑا ہوا ہوں۔ مجھے کہا گیا ہے کہ میں تعلیم کو چھپا کر نہ رکھوں بلکہ دنیا میں پھیلاؤں اور ہر فرد کے کان تک اُن کی آواز پہنچاؤں[2]

یہ دعوت وہ تھی جو سرورِ کائنات محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اقوامِ عالم کی طرف لے کر نازل ہوئے تھے۔ دعوت تو مشترکہ وہی تھی۔ جو خدائے واحد کی وحدانیت کا پیغام دیتی تھی۔ اور یہ دعوت چھ ہزار سال تک انبیاء علیہم السلام دنیا کے سامنے مختلف ادوار میں پیش کرتے رہے تھے۔ مگر چونکہ شرک کی جڑیں بہت مضبوط ہو چکی تھیں۔ اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ مشرکین مکہ اپنی عظمت کے زُعم میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے انھیں یہ گوارہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ ایک غریب انسان محمدؐ ان کی ڈگر سے ہٹ کر باتیں کرے اور اتنا بڑا دعویٰ پیش کر دے کہ بتکدے کی بنیادیں ہلانے والا ہو۔ اور ان کے آبا و اجداد کے دین سے قطعی مطابقت نہ رکھتا ہو۔ بلکہ ایسے دعویٰ کو ماننے سے عقیدہ کے علاوہ سرداری بھی جاتی رہے تو کون اتنا مہنگا سودا کرے۔ چنانچہ آپؐ جب پیغامِ توحید لے کر اپنے بزرگوں کی طرف گئے۔ اور اپنے پیاروں کی طرف مڑے اپنے دوستوں سے ملے اور اپنے بڑوں سے مخاطب ہوئے تو عقل کے اندھوں نے جواباً نعوذ باللہ آپؐ کو دیوانہ قرار دے دیا۔ چونکہ سابقہ چالیس سالہ زندگی میں وہی لوگ آپؐ کو صدیقؐ اور امینؐ کے لقب سے پکار ہی چکے تھے۔ اب کس منہ سے نعوذ باللہ جھوٹا اور بد دیانت کہتے؟ پس اسی میں خیر تھی کہ دیوانہ اور مخبوط الحواس کہہ دیا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خالق مطلق کو

[1] تفسیر کبیر ص۳۴۴ [2] تخلیق الاول ص۵۰

چھوڑ کر سینکڑوں بتوں کو سجدہ کرتے کرتے دیوانے وہ خود ہو چکے تھے۔ حواس وہ خود کھو چکے تھے اور وحشت و درندگی ان کے رگ وپے میں سما چکی تھی۔ اس لئے وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی صدا کو ہی خاموش کر دینا چاہتے تھے۔

یہ ایک نذیر تھا جو مشرکینِ مکہ کی دھرتی کو ہلانے کیلئے مبعوث ہوا تھا لیکن اس وقت صرف مکہ کے کفار ہی مقابل پر آئے اور آئمۃ الکفر بن گئے۔ اُدھر یہودیوں کو موعود خاتم النبیین کا علم قطعی تھا۔ مگر وہ چھپا گئے اور تماشا دیکھتے رہے سب نے مل کر آپؐ کو تکلیفیں دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور آپؐ کی صدا کو خاموش کروانے کے لئے بہت سے جتن کئے لیکن خدا تعالیٰ اپنے نبیوں کی پشت پر ہمیشہ ہوتا ہے۔ وہ سب تدبیروں کو باطل کر دیتا ہے۔ "آپؐ کو زہر دینے کی کوشش کی گئی اگرچہ آپؐ کے ساتھی تو شہید بھی ہو گئے لیکن جن کو زہر دینے کی اصل کوشش تھی وہ خدا کی مدد سے محفوظ رہے۔ الحمدللہ۔ آپؐ پر خفیہ کمین گاہوں میں بیٹھ کر حملہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن دشمن ناکام رہا۔ اکیلے میں حملہ کرنے کی تدبیر کی گئی مگر اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی دشمن کو نامراد کیا۔ گھر بلا کر اوپر سے پتھر پھینکنے کا منصوبہ تیار کیا گیا مگر الہام کے ذریعے خدا تعالیٰ نے آپؐ کو خبردار کیا۔ غارِ ثور میں دشمن سر پر پہنچ کر جس طرح واپس لوٹا آج تک دنیا اس پر حیران ہے۔ اور یہ سب کچھ آسمان و زمین پیدا کرنے والے خدا کے فضلوں سے ہوا کیونکہ آپؐ نے اس خدائے واحد سے تعلق جوڑا تھا تو قادرِ مطلق آپؐ کو کس طرح تنہا چھوڑتا نہ صرف خدا نے خود تعلق باندھا بلکہ سارے عالم کو آپؐ کی خدمت میں لگا دیا۔"

المختصر آپؐ کلمہ کو جو دین کی جان ہے لیکر جب مشرکینِ مکہ سے مخاطب ہوئے تو اپنے لئے کچھ نہیں مانگ رہے تھے، خوبصورت عورت نہ تخت و تاج نہ شہرت و مرتبہ اور نہ دولت و حکومت پھر آخر کس چیز نے اپنے ہی آبا و اجداد کو اتنے بڑے سنگین فیصلوں پر آمادہ کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں چنیدہ مشرکین نے آپؐ کے سر کی قیمت لگا دی اور "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ" کا جملہ قبول نہ کیا۔ گویا توحید پر ایمان لانا ان کے لئے سخت مشکل تھا۔ جبکہ امین و صدیق کے

خون میں انگلیاں ڈبونا ان کے لیے سہل تھا۔ وہ جانوں کا سودا کر رہے تھے لیکن شرک سے منہ موڑنا اور اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی عبادت کرنا ان کے لئے موت سے کم تر نہ تھا اور دعوت الی اللہ کی پیشکش ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصور تھا۔ (نعوذ باللہ) پس یہی کلمہ کی مہم تھی اور یہی کلمہ گو کی جزا تھی۔ جو آپؐ کو ہر صدا پر نصیب ہوئی اور یہی آپؐ کا احسان تھا جو مخلوق پر کرنے کے لیے آپؐ گھر سے نکلے تھے لیکن محسن انسانیت کو اس جواب میں جو صعوبتیں اٹھانی پڑیں وہ اگرچہ سنتِ انبیاء کے مطابق تھیں۔ پھر بھی اپنی قوم اور برادری سے متوقع نہ تھیں۔

برادری کی طرف آپ جس محبت اور درد سے پیغام حق لے کر آئے تھے اگر وہ برادری اس پیغام پر غور کرتی تو جنگوں کی وہ دکھی زندگی امن میں بدل جاتی۔ آپؐ کا پیغام یہی تو تھا کہ "آؤ میں تمھیں اس غلامی سے نجات دلاتا ہوں جس کا تم مدتوں شکار رہے ہو اور وہ وَاَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ جو تم نے بنائے ہوئے ہیں اُن سے تمہاری روحوں اور جسموں کو آزاد کرا دوں۔ تم اپنے بتوں کو پوجتے ہو، ان کو سجدہ کرتے ہو، ان کے پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہو۔ تم ان کو اپنی حاجات کا پورا کرنے والا سمجھتے ہو۔ اور اس طرح نہ صرف انسانیت کے شرف اور اس کی عظمت کو بٹہ لگاتے ہو بلکہ اس خدا کی بھی توہین کرتے ہو جو تمہارا خالق اور مالک ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ تمھیں اس غلامی سے نجات دلا دوں اور تمھیں خالص خدا کا غلام بنا دوں" لیکن اس پیغام ہمدردی و رحم کے بدلے میں آپؐ پر پتھر برسائے گئے اور راہوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ پس شرک کا مکمل رد کرنے والے اور اعلائے کلمۃ اللہ کرنے والے کے ساتھ دنیا کیسے پیش آتی ہے اس کا تفصیلاً ذکر تو مشکل ہے البتہ اجمالاً زنجیر مصائب کی چند کڑیوں کا ذکر کرتی ہوں جو رحمۃ اللعالمین کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں اور جو صحابہ کرام کو پیش آئیں۔

سفرِ طائف

وہ محبوب ہستی جس کے ذمّے اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاؑ کی شہادت دینا بھی لازم کر دیا تھا جب اپنے ہی خطّے میں سردارانِ قریش سے مخاطب ہوئی تو انھوں نے آپؐ کے پیچھے شہر کے آوارہ لوگوں کو لگا دیا۔ آپؐ تو اِلٰھُکُم اللہ واحد کہتے ہوئے اسلام کے جھنڈے تلے انھیں جمع کرنے لگے تھے لیکن ان کی بدنصیبی دیکھیں کہ انھوں نے آپؐ پر پتھروں کی بارش برسا دی، گالیاں دیں، شور مچایا اور تمسخر کا نشانہ بنا کر دراصل اپنی ہی تقدیر کا مذاق اُڑایا۔ وہ وجودِ منجّی جس کی ذاتِ بابرکات دوسروں کے لئے نجات کا موجب تھی انھیں ظالموں سے نجات پانے کے لئے تین میل پیدل چلنا پڑا۔ اس حال میں کہ جوتے خون سے چپکے پڑے تھے۔ آپؐ نے انگوروں کے باغ میں پناہ لی اور دیوار کے سائے میں کھڑے ہو کر یہ دُعا مانگی۔

"اے اللہ میں اپنی کمزوری اور ضعفِ قوت و تدابیر اور لوگوں میں اپنی ذلّت کی شکایت کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے تو کمزوروں کو ترقی پر پہنچانے والا ہے اور میری پرورش کرنے والا ہے۔ تو نے مجھے کس کے حوالے کر دیا۔ ایسے دل والے کو جو مجھ سے تُرش رُو ہو کر پیش آتا ہے۔ (اور ایسے دشمن کو میرے معاملہ کا مالک بنا دیا۔) کہ اگر مجھ پر تیرا کوئی غصّہ نہیں تو میں کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ تیری عافیت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ اس چہرے کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے اندھیرے دور ہوتے ہیں۔ دنیا و آخرت کے معاملے سدھرتے ہیں۔ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری خفگی ہو، مجھے تیری ہی رضا مندی کی طلب ہے۔ حتّٰی کہ تو راضی ہو جا۔ تیرے سوا نہ کسی میں ضرر دور کرنے کی قوّت ہے نہ نفع حاصل کرنے کی۔"[1]

تو یہ جذبہ تھا پیار و محبت کا جو فخرِ موجودات کے سینے میں مخلوق کے لئے بپا

---

[1] سیرۃ النبیؐ کامل صفحہ ۴۳۳ باب ۶۴۔

ہوا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْد

شعب ابی طالب

شعب ابی طالب کا واقعہ ایک سوشل بائیکاٹ ہے۔ جو اعلائے کلمۃ اللہ کے نتیجہ میں آپؐ کو تین سال تک بھگتنا پڑا۔ شروع کے چند سال تو سرورِ کائناتؐ خاموش اور پوشیدہ طور پر تبلیغ کرتے رہے۔ جس کا دائرہ آپؐ کے دوست واعزا تک محدود تھا۔ غربا اور مساکین طبقہ پر مشتمل تھا۔ اس لئے مشرکین مکہ بہت حد تک نظر انداز کر رہے تھے لیکن جب آپؐ کے جوشیلے چچا حضرت حمزہؓ نے چادرِ توحید پہن لی اور اپنے رضائی بھائی محمدؐ صلعم کے ساتھ آ کھڑے ہوئے اور دوسرے نمبر پر حضرت عمرؓ بھی اس عظمت توحید میں آ شامل ہوئے چنانچہ اس غیبی طاقت نے آپؐ کو پہلی بار اعلانیہ طور پر توحید کی طرف بلانے کی ہمت عطا کی۔ آپؐ نے کلمۂ توحید کا اعلان کر دیا جو اجتماع اور مجالس کے لئے کھلم کھلا تھا۔ یہ اعلانیہ تبلیغ کفارِ مکہ کے لئے ایک تازیانہ تھی۔ اور ان کی اعصابی طاقت کو چیلنج تھا۔ یہیں سے مسلمانوں کے لئے اذیتوں کا باب اجتماعی رنگ میں کھل گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کی بہادری اور حضرت حمزہؓ کا جوشِ حمیت مسلمانوں کو مصائب کے طوفان سے نجات نہ دلا سکا بلکہ ان دونوں عظیم ہستیوں کو بھی اس دور میں سے گزرنا پڑا۔ گویا شعب ابی طالب میں ہر مرد و زن موت کے منہ میں سے دوبارہ نکلا کچھ تو اس اذیت ناک دور میں اپنے پیارے خدا سے ہی جا ملے اور کچھ راہِ حق میں شہادت پا گئے۔ اگر ان کلمہ گو نفوس کی فہرست تیار کریں تو یقیناً طویل ہوگی۔ لہٰذا چند بابرکت اشخاص کا ذکر کرتی ہوں۔ جو بظاہر انسان تھے مگر باطن میں فرشتے تھے۔ اور عورت ہونے کے ناطے میں سمجھتی ہوں کہ پہلے عورتوں کی ایثار و قربانی کا ذکر کروں۔

حضرت سمیہؓ

حضرت سمیہؓ صبر و استقامت کا پیکر وہ پہلی عورت ہیں جنھیں راہِ حق میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کے جرم میں شہادت کو گلے لگانا پڑا۔ اور اس طرح شہید ہو کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کرنے کا موجب ہوئیں اگرچہ تعزیب المسلمین کے دور کا ایک نمایاں باب حضرت سمیہؓ کی شہادت پر کھلتا ہے تاہم آلِ یاسر کے لئے جنت کی ضامن ہوگئیں۔ کیونکہ وہ ایک بدترین دشمن ابوجہل کا شکار تھیں۔ اور ابوجہل نے انکا گھر تک جلا ڈالا تھا۔ اور ان کے شوہر حضرت یاسرؓ اور بیٹے حضرت عمارؓ کو زنجیریں پہنا کر گھسیٹ کر قید خانے میں جا ڈالا تھا۔ اور حضرت سمیہؓ کے وجود کو مختلف طریق سے عذاب میں سے گزارا۔ ابوجہل ان کو بالوں سے نوچ نوچ کر زمین پر پھینک دیتا تو آپ بے ہوش ہو جاتی تھیں۔ ہوش آنے پر کلمۂ توحید کا ہی تکرار کرتیں۔ آپ اتنی دلیر تھیں کہ جب محسوس کرتیں کہ پیارے رسولِ خدا کو ان تکلیفوں اور اذیتوں کو جان کر صدمہ پہنچتا ہے تو ہمیشہ بآوازِ بلند کہتیں کہ "میں گواہی دیتی ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور آپؐ کا دعویٰ سچا ہے"۔ ابوجہل نے ان کی حق گوئی سے مشتعل ہو کر اُن کی ران میں اس زور سے نیزہ مارا کہ ان کو چیرتا ہوا ان کے پیٹ میں گھس گیا۔ اور اس طرح وہ جان، جانِ آفریں کے سپرد کر کے فرشتوں کو ابوجہل کے انتقام کا پیغام دے گئیں۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں جب ابوجہل قتل ہوا تو حضرت سمیہؓ کے بیٹے حضرت عمارؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا"

"دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا"

بیشک راہِ حق کی پہلی شہیدہ کے بیٹے حضرت عمارؓ سے رسولِ خداؐ کو اتنی محبت تھی کہ ان کے بارے میں فرمایا، "جو عمارؓ سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھتا ہے"۔

تو یہ ایک کلمہ گو عورت سے منکرین اسلام کا سلوک تھا جو ثابت کر رہا ہے کہ ہمیشہ سے سنّت انبیاء یہی ہے کہ رسولوں اور ان کے متبعین کو دکھ دیے جاتے ہیں لیکن انجام کار ان کی فتح ہوتی ہے اور دشمن نامرادی کا منہ دیکھتا ہے۔

حضرت لبینہؓ

حضرت لُبنیہؓ بھی ایک موحّد تھیں اور کلمہ کی مہم کی ایک درخشندہ [illegible] باقی مسلمانوں کی طرح انھیں بھی اذیتیں گھر کے مالک سے نصیب ہوئیں جبر [illegible] وہ شب و روز خدمت کیا کرتی تھیں۔ اور ان کا مالک بھی ایک ایسا انسان تھا جو بعد میں خلفائے راشدین میں اولوالعزم اور بے مثال خلیفہ بنا۔ رعایا کی حفاظت کرنے والا اور اپنے پرایوں کا غم کھانے والا۔ مگر وہ ان قبولیت اسلام سے پہلے ایک پتھر ہی تھا۔ جن پتھروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہوا ہے کہ مخالفتِ انبیاء میں وہ لوگ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں اور پتھروں میں سے تو یقیناً بعض ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جن میں سے دریا بہتے ہیں.....

تو حقیقت میں انوارِ رحمت کی بارش جب تک اُن پر برسی نہ تھی وہ ایک پتھر ہی تھے لیکن نورِ محمدی سے طفیل شدہ ہو کر یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ کے مصداق ہو گئے اور خدا تعالیٰ نے اپنی برکات میں سے وافر حصہ عطا کیا اور مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کر دیا الحمد اللہ علیٰ ذالک۔

اُس پتھروں کے زمانے میں جب حضرت عمرؓ اپنی کنیز حضرت لبنیہؓ کو مارتے تھے تو اتنا مارتے تھے کہ خود تھک جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں تمہیں رحم کی بنا پر نہیں اس وجہ سے چھوڑ رہا ہوں کہ تھک گیا ہوں تو وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ اگر تم اسلام نہیں لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا۔

حضرت زنیرہؓ

ایسے ہی دوسری کنیز حضرت زنیرہؓ تھیں جو شدید طور پر حضرت عمرؓ کی مخالفت سے متاثر ہوئیں۔ حقیقت میں مخالفت ایک جنون ہوتا ہے جو انسان کی قوتِ برداشت سے باہر ہوتا ہے اور اس وقت تو بالکل ہی بے قابو ہو جاتا ہے۔ جب مدمقابل اپنا دستِ نگر ہو اور خادم و ملازم ہو۔ تقریباً تمام کنیزیں جو بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہوئیں مسلسل ستائی گئی تھیں کیونکہ بڑے آدمی کا انقلاب کی طرف قدم اٹھانا سوچنے میں آتا ہے اور ممکن ہو سکتا ہے لیکن ناتواں خادم مالک کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے والی۔ ان کے اشارہ پر چلنے والی اور صبح و شام اسی خدمات پیش کرنے والی کنیزیں اگر یہ جرأت کریں تو مالک کا مخالفت میں اندھا ہو جانا طبعی امر ہے۔ اس لئے ہر مالک اپنے غلام کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کرتا ہے شاید یہ سختی انہیں ان کے آبائی مذہب پر واپس لے آئے وہ یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ کہ ان کے ادنیٰ ترین غلام انہیں کے گھروں میں پل کر انہیں کے آباؤاجداد کے دین کا حلیہ بگاڑ دیں۔ اسی طرح ابوجہل جو کہ اپنی سفاکی اور درندگی میں سب کفار پر سبقت لے گیا تھا۔ اپنے شکار کی تلاش میں سارا دن سرگرداں رہتا کہ ایک دن اس نے حضرت زنیرہؓ کو اتنا مارا کہ مارتے مارتے ان کی آنکھوں کا نور چھین لیا۔ مگر کسی کی بینائی چھیننے سے روحانی نور کون چھین سکتا ہے؟ خدا تعالیٰ نے انہیں یعنی حضرت زنیرہؓ کو تا قیامت زندہ رکھ کر آخرت کا نور ان کے حوالے کر دیا اور ابوجہل کو اندھا کر کے ہلاک کر دیا اور بصارت و بصیرت دونوں اس سے چھین لئے۔ اے ابوجہل بدنصیب! تیری تو آخری خواہش بھی پوری نہ ہوئی حالانکہ تیرے وطن کے لوگ تو آخری خواہش کا احترام ضرور کرتے تھے۔ تجھے یاد رہے جب تو ایک نوعمر لڑکے کے ہاتھوں جنگِ بدر میں کیفرِ کردار کو پہنچا تھا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے آخری درخواست بھی خواہش کی صورت میں کی تھی کہ "میری گردن لمبی کاٹنا" تا آنکہ

لوگ شناخت کرسکیں کہ سرکردہ انسان ہے لیکن اسلام کا سچا فدائی کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ رحمۃ اللعالمین کو تیرہ سال تک مستقل بے چین رکھنے والا انسان چین سے آخری نیند سو جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تیری گردن چھوٹی کاٹ کر تیری آخری خواہش کو بھی رد کر دیا۔ فرشتو! تم گواہ رہنا کہ یہ شخص ذلیل تھا اور ذلیل ہی رہے گا۔ انشاءاللہ۔

اسی طرح حضرت نہدیہؓ اور ام عبیسؓ دونوں کنیزیں تھیں۔ جو توحید و رسالت کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں اور کفارِ مکہ کی شقاوتِ قلبی کا نشانہ بنی رہیں۔ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی علم بردار تھیں اور شہادت کی پالکی میں سوار ہو کر مسلمان عورتوں کا سر فخر سے بلند کر گئیں۔ فجزاھن اللہ احسن الجزاء۔

یہ توحید صحابیات تھیں جو صفِ اوّل میں مقام پا گئیں اب دیکھتے ہیں کہ فرزندانِ توحید پر کیا گزری؟

فرزندانِ توحید کا مقدر

کلمۂ توحید کا سایہ جوں جوں بڑھتا گیا قریش مکہ کا دل واقعی جلتا گیا کیونکہ اس جملے یعنی کلمہ میں ان کی اور ان کے آباؤاجداد کی تحقیر پنہاں تھی۔ ان کے قابلِ احترام معبودوں کی عظمت مٹی میں مل رہی تھی۔ لہٰذا توحید کے سائے تلے جمع ہونے والوں پر طیش و غضب کے باب کھل جانا لازمی امر تھا۔ اگرچہ امیر و کبیر صحابہ کرام اپنے اپنے قبیلہ کے جور و ستم کا نشانہ بنتے رہے تھے لیکن ان بے کسوں غریبوں کا صبر و استقلال آزمانے کے لئے آج ہر کوئی سبقت لے جانے کی بازی لگاتا تھا۔ جن میں ابوجہل اور اُمیہ بن خلف کا انتقام تو ایک مکمل عذاب تھا۔ تاہم بہت سے امراء بھی اذیتوں کے دور میں سے گزرے تھے مثلاً حضرت عثمانؓ جو صاحب جاہ و اعزاز تھے۔ جب وہ اسلام لائے تو دوسروں نے نہیں بلکہ ان کے اپنے ہی چچا نے رسی سے باندھ کر مارا۔ حضرت ابوذرؓ جو ساتویں مسلمان تھے جب ایمان لائے تو قریش نے مارتے مارتے اَدھ موا کر دیا۔ اس

طرح حضرت زبیر بن العوامؓ جن کا مسلمان ہونے والوں میں پانچواں نمبر تھا صرف احد احد کہنے پر ان کے چچا نے ان کو چٹائی پر لٹا کر ان کی آنکھوں میں دھواں دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمر نے انھیں بھی رسیوں سے باندھ کر عذاب دیا لیکن یہ تمام مظالم، یہ جلادانہ بے رحمیاں اور یہ قیامت خیز سفاکیاں ایک مسلمان کو کبھی بھی راہِ حق سے متزلزل نہ کر سکیں"

اسی طرح تاریخ اسلام کے اوراق حضرت ابوبکرؓ کی بے شمار قربانیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ وہ بندۂ خدا سب مال و متاع اپنے آقا و مولا کے قدموں میں لاڈالتے تھے لیکن اس سے بھی زیادہ وہ قربانیاں تھیں جو انھوں نے اکثر غلام و کنیزوں کو آزاد کروایا مثلاً حضرت بلالؓ ساتویں غلام تھے جنھیں حضرت ابوبکرؓ نے رہا کروایا تھا۔

حضرت بلالؓ

حضرت بلالؓ وہ ہستی ہیں جو مصائب و اذیتیں برداشت کرنے میں سرفہرست آتی ہے۔ آپ ہی وہ بے مثال شخص ہیں جنھوں نے خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت میں وہ ظلم سہے کہ آج بھی چودہ سو سال بعد ان مصائب کا ذکر کر کے انسانیت شرمسار ہوتی ہے۔ جب ٹھیک دو پہر ہوتی تو اُمیہ بن خلف ان کو جلتی ہوئی پتھریلی زمین پر لٹا دیتا تھا اور پتھر کی چٹان سینے پر رکھ دیتا تھا کہ جنبش نہ کر سکیں اور نہ ہلا سکیں۔ انھیں بار بار اسلام سے تائب ہونے کے لئے زور دیتا لیکن شدید تکلیف کے باوجود اُن کی زبان اَحد اَحد ہی پکارے چلی جاتی۔ جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے میں رسّی باندھ کر شہر کے اس سرے سے اُس سرے تک گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے لیکن حضرت بلالؓ کی ایک ہی صدا تھی۔

اَشھدُ اَن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ و اَشھدُ اَنَّ مُحَمَّداً عبدہٗ و رَسُولہ

جس کی جزا میں خدا تعالیٰ نے ٹوٹی پھوٹی زبان میں توحید کا اعلان کرنے والے حبشی النسل بلالؓ کو نوازا اور مسلمانوں کا سردار بنا دیا۔

"فتح مکہ کے دن مقصود کائنات نے اپنے پیار کا ثبوت کیسے عظیم الشان رنگ میں دیا کہ ابی رویحہ رضؓ کو حضرت بلال رضؓ کا بھائی بنا دیا اور اپنا جھنڈا انہیں عطا کیا اور اعلان فرمایا کہ جو شخص بھی آج ابی رویحہ رضؓ کے جھنڈے تلے کھڑا ہو جائے گا اُسے امن دیا جائے گا۔ اس حکم میں کیا لطیف حکمت تھی کہ مکّہ کے لوگ۔ جو بلال رضؓ کے پیروں میں رسّیاں باندھ کر جن گلیوں میں کھینچا کرتے تھے اور جن میدانوں میں بلال رضؓ کے لئے امن کی جگہ نہیں تھی۔ انہی گلیوں اور میدانوں میں بلال رضؓ آج امن کا پیغام سُنا رہے تھے اور پناہ کی نوید دے رہے تھے۔ رسولِ خدا نے جان لیا کہ یہ جگہیں بلال رضؓ کی تذلیل و تضحیک اور عذاب کی جگہیں ہیں پس بلال رضؓ کا دل آج انتقام کی طرف بار بار مائل ہوتا ہوگا گو اس وفادار ساتھی کا انتقام بھی ضروری تھا۔ مگر انتقام بھی تو اسلام کی شان کے مطابق ہو پس آپ نے حضرت بلال رضؓ کا انتقام اس طرح نہیں لیا کہ تلوار کے ساتھ ان کی گردنیں کاٹ دی ہوں بلکہ اُس کے بھائی کے ہاتھ میں بڑا سا جھنڈا دے کر بلال رضؓ کو اعلان پر مقرر فرما دیا۔ سبحان اللہ آج بالوں سے گھسیٹا جانے والا اور پتھروں پر خاموشی سے کھال چھلوانے والا قوم کا سردار بن گیا۔

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ"

ایسے ہی کئی غلام صحابی رضؓ تھے جنھیں کفارِ مکّہ اپنے تفاخر اور طاقت کی بنا پر بالوں سے پکڑ کر گلیوں میں گھسیٹتے اور انھیں نماز پڑھتے ہوئے اپنے مظالم کا تختۂ مشق بناتے ایک صحابی رضؓ نے اسلام کی فتوحات کے زمانے میں اپنی قمیص اتاری تو لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کی پیٹھ کا چمڑا ایسا تھا کہ بھینسے کا چمڑا معلوم ہوتا تھا۔ پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ جب ہم نے اسلام قبول کیا تو چونکہ ہم غلام تھے اور مالک کو اس ملک کے قانون کے مطابق ہم پر ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے جب وہ دیکھتے کہ ہم ترک نہیں کرتے تو وہ ہمارے پاؤں میں رسیاں باندھ کر گلیوں میں گھسیٹنا شروع کر دیتے راستوں میں پتھر ہوتے اور وہ بے دردی کے

ے آیت نمبر ۱۶ سورۃ القدر

سانڈ پتھروں پر گھسیٹے چلے جاتے یہاں تک کہ سارے چمڑے چھل جاتے اور بالآخر اپنی اصل شکل کھو بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے واقعات کے مدنظر ایک انتباہ فرمایا ہے۔ "کہ ہم کو بھی بالوں سے پکڑ کر گھسیٹنا آتا ہے وہ اُس پیشانی جو (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ) کہنے کو پتھروں پر رگڑتے گلیوں پر پھرتے ہیں جو ہمارے سامنے سجدہ کرتی ہے اور ہم اس خطا کار اور جھوٹی پیشانی کو گھسیٹیں گے جو بتوں کے آگے جھکتی ہے"[1]

چنانچہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے ابو جہل سے انتقام لیا۔ ابو جہل کو پیشانی کے بالوں سے گھسیٹ کر اُس گڑھے میں گرایا گیا جو اُس کی قبر کے لئے تیار کیا گیا تھا اس طرح اللہ تعالیٰ ظالموں سے بدلا لیا کرتا ہے۔

ہجرت

آخر کلمۂ طیبہ کی مہم بڑھتے بڑھتے اس حد تک طول پکڑ گئی کہ ہجرت کی نوبت آگئی۔ ہجرت کے لئے کوئی ذی شعور اُس وقت تک تیار نہیں ہوتا جب تک کہ مدمقابل کچھ ایسے حالات پیدا نہیں کر دیتا کہ مہاجر اپنا گھر بار وطن اور اُسے چھوڑ کر اجنبی جگہ پر پناہ لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہی حال تقریباً تمام انبیاء کا ہوا ہے کہ انھوں نے مخالفین سے تنگ آکر دوسری جگہ خدا تعالیٰ کے ایمائے پر عافیت تلاش کی اور اسی طرح ہمارے پیارے نبیؐ پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر۔ وطن اور جائے رہائش کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا اور ۲۵۰ میل دور جا کر سکونت اختیار کی۔ مکہ میں تو معاشی اختلاف نہیں تھا۔ قومی، نسلی، اور سیاسی اجنبیت نہیں تھی۔ فاتح مفتوح کا مسئلہ نہیں تھا۔ صرف اور صرف عقیدہ کی جنگ تھی۔ ایک نظریے کا اختلاف تھا۔ ایک ہمدرد دل کی پکار تھی۔ یہ کہ شرف انسانیت نے خدا کا مقدس دیکھ کر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اعلان کر دیا اور مقامِ الوہیت کی طرف لوگوں کو بلایا۔ جس کے جواب میں خون کی پیاس اس حد تک بڑھی کہ میدانِ کارزار کھل گیا۔ تلواریں نیام سے باہر آگئیں۔ ۲۵۰ میل کی دوری بھی مخالفت کی آگ کو ٹھنڈا نہ کر سکی۔ اور اس طرح سلسلہ ہائے جنگ آپ کی دعوت الہیہ کے جواب میں شروع ہو گیا اور فتح مکہ کے بعد ختم ہوا۔

---

[1] آیت نمبر ۱۶ سورۃ القدر

چونکہ عالمگیر دعوت کی مخالفت بھی عالمگیر ہوتی ہے اس لئے ان مسائل و مصائب کے جواب میں انعامات بھی عظیم اور غیر منقطع ہوتے ہیں۔ جو کہ خدا تعالیٰ نے اُمّت محمدیہ کے لئے تا قیامت مقدر کر رکھے ہیں خواہ دشمن اپنی دشمنی میں حد سے بڑھ جائے ظہالت سے بچنے کے لئے کلمہ دشمنی کی ایک مثال مختصر کر کے مضمون کو ختم کرتی ہوں۔ آپ اس مثال سے کلمہ دشمنی کا خود اندازہ لگائیں۔ مثلاً عموماً عورت کو نرم و نازک پھول سے یا خوشبو سے تشبیہہ دی جاتی ہے بلکہ اس صنفِ نازک کے تصوّر سے ہی لطیف جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن "تصور احد" کی دشمنی اتنی بھیانک اور گمبھیر چیز ہے کہ اس صنف نے بھی جب دشمنی کا اظہار کیا تو شدّت کی حد یہ تھی کہ ایک اشرف المخلوقات کا کلیجہ تک چبا ڈالا۔ وہ کلمۂ دشمنی میں اتنی اندھی ہوئیں کہ اپنے دانتوں سے انسانی گوشت کو چبا کر نگل گئیں۔ اور اپنے زیورات اتار وحشی قاتل کو بطور انعام دے دیئے اور خود اس مردِ مومن۔ شبیر خدا کے اعضا مبارکہ سے اپنے کان اور بازو وغیرہ کو مزین کر لیا۔ تو یہ حد تھی کلمہ دشمنی کی جو ساتویں صدی کی ایک عورت ہندہ نے قائم کر دی۔ باقی جور و جفا کا کیا ذکر کروں۔ وہ تو بہرصورت مردوں سے منسوب ہیں۔ یقیناً اس سے بڑھ کر پُرتشدد ہوں گے۔

الغرض کلمہ دشمنی کے چند واقعات کے ذکر سے یہ ضرور واضح ہو گیا ہو گا کہ آپؐ کی بعثت کے روزِ اوّل سے ہی جتنی بڑھ چڑھ کر آندھی مخالفت کی آئی ہو گی اس سے کہیں بڑھ کر تائید الٰہی نصیب ہوئی ہو گی۔ (الحمد للہ) آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا پر یہ موضوع ختم کرتے ہیں۔

کہ "اے میرے خدا تو نے ہی مجھے یہ مبارک کلمہ دے کر معبوث فرمایا ہے۔ تو نے ہی مجھے اس کے پڑھنے اور پھیلانے کا حکم دیا ہے اور تو نے اس پر جنّت کا وعدہ دیا ہے۔ تو سچے وعدوں والا خدا ہے۔"

(الترغیب والترہیب جلد ۳، ۷۵)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

باب ششم

کلمہ طیبہ کی مہم اور قادیانی

چھ ہزار سال تک کلمہ توحید کا سفر جن خار دار راہوں سے ہو کر گزرا اور جن سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرایا وہ آپ قارئین تفصیلاً نہیں تو اجمالاً ضرور جان گئے ہوں گے اور اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہوں گے کہ ہمیشہ وحدانیت پر ایمان لانے والے تکلیفوں میں سے گزر کر خدا تعالیٰ کی رحمتوں سے نوازے جاتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر وحدانیت کے اقرار کی وجہ سے قتل بھی کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن یہ حصے ملنے نہیں ہوا کرتے جب خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے تو وہ اپنے لطف و کرم سے مومن کو کبھی توحید کے بدلے میں یہ صالحیت عطا کرتا ہے۔ شہادت عطا کرتا ہے۔ صدیقیت عطا کرتا ہے اور کبھی کبھی مومن کی زندگی میں نبوت کا رنگ بھی بھر دیتی ہے۔

باقی رہا قادیانی کا اس مہم سے کیا تعلق ہے؟ تو پیشتر اس کے کہ ہم وہ نقوش اور خطوط واضح کریں کہ اس مہذب دور میں قادیانی پر کیا گزری ہم یہ کیوں نہ جان لیں کہ قادیانی کون ہیں؟

لفظ قادیانی لکھتے وقت دل میں ایک کسک سی پیدا ہوتی ہے کیونکہ اس لفظ سے میرے لوگوں کی تکریم میں کچھ کمی واقع ہوتی ہے۔ اگرچہ ریڈیو۔ ٹی وی۔ پریس یا کوئی اور پبلیکیشن ہو تو یہ لفظ مجھے چونکا دیتا ہے۔ خیر کبھی کبھی یہ لفظ استعمال کر لیتے ہیں۔ تاکہ قارئین کو سہولت ہو۔ ویسے احمدی کو قادیانی کہنے میں وجہ جواز موجود بھی ہے اور وہ اس طرح کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے ہمارے مسیح موعود (ان پر سلامتی ہو) کو ایک مماثلت بھی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت مسیح ناصرہ کے رہنے والے تھے اور ان کے ماننے والوں کو لوگ نصاریٰ کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت اقدس جو قادیان کے رہنے والے

تھے۔ ان کے ماننے والوں کو لوگ قادیانی کہہ لیں تو خاص پریشانی نہیں ہوسکتی۔

اچھا اب دنیا کی عمر کے حساب سے ہم ساتویں ہزار سال میں داخل ہوتے ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہمارے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ

چونکہ دن سات ہیں اس لئے آیت کریمہ میں دنیا کی عمر سات ہزار برس قرار دی گئی ہے۔ لیکن یہ عمر آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے جس کی ہم اولاد ہیں چنانچہ پانچویں ہزار سال میں فخر موجودات نبیٔ پاک حضرت محمدؐ مصطفیٰ علیہ السلام دنیا کی اصلاح مبعوث ہوئے تھے۔ آج آپؐ کی رحمت کیلئے زمانہ کو ۱۴۰۰ برس ہو چکے ہیں اس لئے عام آدمی بھی حساب لگا سکتا ہے کہ ساتواں ہزار سال شروع ہو گیا ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنے پاک نبیوں کی معرفت یہ خبر دے رکھی ہے کہ "جب آدمؑ کے وقت کو چھ ہزار برس قریب الاختتام ہو جائیں گے تو زمین پر بڑی تاریکی پھیل جائے گی۔ اور گناہوں کا سیلاب بڑے زور سے بہنے لگے گا۔ ...... تب خدا تعالیٰ آسمان سے بغیر زمینی اسباب کے آدم کی طرح اپنی طرف سے روحانی طور پر ایک شخص میں سچائی اور محبت اور معرفت کی روح پھونکے گا اور وہ مسیح بھی کہلائے گا۔"[1] چنانچہ اب وہ زمانہ مسیح موعود کا شروع ہو گیا جس کی خبر خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں نے دی تھی۔

مقام کلمہ طیبہ

دیکھنا یہ ہے کہ اس زمانے میں مامور وقت حضرت مسیح موعود (ان پر سلامتی ہو) نے اپنی تعلیم میں کلمہ طیبّہ کا کیا مقام بیان فرمایا۔ کیونکہ کسی مامور کی تعلیم اُس کے دعویٰ کا نچوڑ اور مغز ہوتی ہے۔ اس لئے قارئین کی سہولت کے لئے وہ تعلیم پہلے مختصراً درج کرتی ہوں۔

---

[1] لیکچر لاہور صفحہ ۳۸

واضح ہو کہ کلمہ توحید ایک اللہ کے سوا تمام الہٰوں کی نفی کرتا ہے۔ اور تمام انفسی اور آفاقی الہٰیہ کو باہر نکال کر اپنے دل کو ایک اللہ کے واسطے پاک صاف کرنے کا حکم دیتا ہے" یعنی

کلمۂ طیبہ کا خلاصہ مبداء الفیض اللہ تعالیٰ اور مجمع الانوار محمد مصطفیٰ کے مبارک وجود کے گرد گھومتا ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ماوراء ہستی ایک نور ہے اور محمد رسول اللہ نورِ خدا ہیں۔ اور بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے اُس نور اور نور اللہ کا کیا مقام اپنی تعلیم میں واضح کئے ہیں۔ حضور اقدس کے اپنے ہی لفظوں میں موازنہ کرنا انصاف کے تقاضے پورے کر سکے گا۔

اللہ

آپ فرماتے ہیں کہ اللہ جو خدا تعالیٰ کا ذاتی اسم ہے اور جو تمام جمیع صفاتِ کاملہ کا مجتمع ہے۔ ہمارا معبود حقیقی ہے اور احمدی جماعت کو صرف اور صرف اُسی ذاتِ وحدہٗ لاشریک کی عبادات گزارنے کا حکم ہے۔ فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ اپنی تمام خوبیوں کے لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہے۔ کوئی بھی اس میں نقص نہیں۔ وہ مجمع ہے تمام صفاتِ کاملہ کا اور مظہر ہے تمام پاک قدرتوں کا اور مبداء ہے تمام مخلوق کا اور سرچشمہ ہے تمام فیضوں کا اور مالک ہے تمام جزا و سزا کا اور مرجع ہے تمام اُمور کا اور نزدیک ہے باوجود دوری کے دُور ہے باوجود نزدیکی کے وہ سب سے اُوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے۔ وہ سب چیزوں سے زیادہ پوشیدہ ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اُس سے زیادہ کوئی ظاہر ہے۔ وہ زندہ ہے اپنی ذات سے اور ہر ایک چیز اس کے ساتھ زندہ ہے۔ وہ قائم ہے اپنی ذات میں اور ہر ایک چیز اس کے ساتھ قائم ہے۔ اس نے ہر چیز کو اُٹھا رکھا ہے۔ کوئی چیز نہیں جو اس کے بغیر خود بخود پیدا ہوتی ہے یا اس کے بغیر خود بخود جی سکتی ہے۔ وہ ہر ایک چیز پر محیط ہے۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ احاطہ کیسا ہے۔ وہ آسمان اور زمین کی ہر ایک چیز کا

نور ہے اور ہر ایک نور اُسی کے ہاتھ سے چمکا اور اُسی کی ذات کا پرتو ہے۔ وہ تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ کوئی روح نہیں جو اُس سے پرورش نہ پاتی ہو اور خود بخود ہو۔ کسی روح کی کوئی قوت نہیں جو اُس سے نہ ملی ہو اور خود بہ خود ہو۔"[1]

خدا ہماری تمام تدابیروں کا شہتیر ہے

پھر اپنی جماعت کو اپنی تعلیم میں واضح طور پر متوجہ کرتے ہیں۔ "کہ اے میری پیروی کرنے والو تم کان کھول کر سنو کہ خدا ہماری تمام تدابیروں کا شہتیر ہے۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔ سچی خوش حالی کا سرچشمہ ہے۔" آپ نے حکم دیا کہ توحید کو زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی طاقت سے کوشش کرو۔ اس کے بندوں پر رحم کرو۔ اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو۔ اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو۔ اور کسی پر تکبر نہ کرو۔"

پھر اپنی حقیقی تڑپ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے۔ اگرچہ جان دینے سے ملے اور لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔
اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تاکہ لوگ سن لیں۔ اور کس دوا سے علاج کروں کہ سننے کیلئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔"[2]

"تمہارا خدا وہ خدا ہے جو اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے۔ نہ کوئی ذات اُس کی ذات جیسی ازلی ہے اور نہ ابدی یعنی انادی اور اکالی ہے۔ نہ کسی چیز کی صفات اُس کی صفات کی مانند ہیں"[3]

---

[1] لیکچر لاہور صفحہ ۶ [2] کشتی نوح صفحہ ۱۹-۲۰ [3] لیکچر لاہور صفحہ ۷

پس کلمہ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یعنی توحید کا نقش قدرت کی ہر چیز میں رکھا ہوا ہے بات دراصل یہ ہے کہ انسان کی فطرت ہی میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی نقش کیا گیا ہے ۔ الْمختصر آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ پس امید ہے کہ قارئین لا الٰہ الا اللّٰہ جو افضل الذکر ہے اور توحید کا خلاصہ ہے کی تعریف جو بانی سلسلہ احمدیہ نے بیان فرمائی ہے ۔ پڑھ کر بکلی مطمئن ہو گئے ہوں گے ۔

اور اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہوں گے کہ اللہ جو ارفع ذاتِ الٰہی ہے ۔ اس کی تعریف اس سے زیادہ روئے زمین پر کوئی اُمتی نہیں کر سکا ۔ اور نہ کر سکے گا ۔ اور اب آیئے کلمہ کے دوسرے حصہ " محمدٌ رسول اللہ " کے متعلق دیکھیں کہ آپ کے کیا فرمودات ہیں ۔ آپ فرماتے ہیں ۔

نورِ مجسم سیّد الانبیاء و سیّد الاحیاء

" وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسانِ کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا ۔ وہ نجوم میں نہیں تھا ۔ قمر میں نہیں تھا ۔ آفتاب میں نہیں تھا وہ زمین کے سمندروں میں نہیں تھا ۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا ۔ غرض وہ کسی چیز ارضی و سماوی میں نہیں تھا ۔ صرف انسان میں تھا ۔ یعنی انسان کامل میں ۔ جس کا اتم اور اکمل اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سید الانبیاء سید الاحیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ سو وہ نور اُس انسان کو دیا گیا اور حسبِ مراتب اس کے تمام ہم رنگوں کو بھی جو کسی قدر وہی رنگ رکھتے تھے اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے ہادی ۔ ہمارے سید ہمارے مولیٰ نبی اُمّی صادق مصدوق محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے ۔ " لہ

لہ ۔ آئینہ کمالات ۔ صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۱

آپ پھر فرماتے ہیں کہ کوئی نبی محمدؐ نام کا مستحق نہ تھا۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آگیا اور وہ ایک خارستان تھا جس میں نبی کریمؐ نے قدم رکھا اور ظلم کی انتہا ہو چکی تھی۔ فرماتے ہیں کہ میرا مذہب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کل انبیاء جو اس وقت تک گزر چکے تھے، سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تو ہرگز نہ کر سکتے۔ ان میں وہ دل اور وہ قوت نہ تھی جو ہمارے نبیؐ کو ملی تھی اگر کوئی کہے کہ معاذ اللہ یہ نبیوں کی سوءِ ادبی ہے تو وہ ناداں مجھ پر افترا کرے گا۔ میں نبیوں کی عزت اور حرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں۔ لیکن نبی کریمؐ کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزوِ اعظم ہے اور میرے رگ و ریشہ میں ملی ہوئی بات ہے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دوں۔ ۔ رسول اللہؐ میں وہ ساری قوتیں اور طاقتیں رکھی گئی تھیں جو محمدؐ بنا دیتی ہیں۔ اسی طرح پھر ایک جگہ حضرت اقدس سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس شان کی مدح فرماتے ہیں کہ تمام جامع کمالات متفرقہ آپؐ کی ذاتِ گرامی میں جمع کر دیئے ہیں۔ فرماتے ہیں "میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود و سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کی انتہا معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا۔ اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔[1]

---

[1] حقیقت الوحی ص ۱۱۵-۱۱۶

ہم جب انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلہ نبوت میں سے اعلیٰ درجہ کا جواں مرد نبیؐ اور زندہ نبیؐ اور خدا کا اعلیٰ درجہ کا پیارا نبی صرف ایک مرد کو جانتے ہیں یعنی وہی نبیوں کا سردار اور رسولوں کا فخر۔ تمام مُرسلوں کا سرتاج جس کا نام محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے زیرِ سایہ دس دن چلنے سے وہ روشنی ملتی ہے پہلے اس سے ہزار برس تک نہیں مل سکتی تھی"۔ [1]

بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی کلمہ طیبہ کے متعلق تعلیم اگر چند جملوں میں جمع کریں تو یوں جانیے۔ "دنیا میں صرف دو زندگیاں قابلِ تعریف ہیں۔ ایک وہ زندگی جو خود خدائے حیّ قیوم مبداءِ فیض کی زندگی ہے۔ اور دوسری وہ زندگی جو فیض بخش اور خُدا نما ہے"۔

پس بموجب تعلیم مامورِ وقت ہر احمدی کے دل میں کلمہ طیبہ کا کیا مقام ہے وہ تو قطعی واضح ہوگیا ہو گا۔ اگرچہ لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ "ہر شخص جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھتا ہے وہ اس کے اسلام کے حق میں سمجھا جائے گا۔ اگرچہ نفس الامر میں اس کے اعمال خلافِ اسلام ہی کیوں نہ ہوں"۔ [2] گویا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ قلعہ اسلامی میں داخل ہونے کا واحد شاہی دروازہ ہے جو شخص بھی اس دروازہ میں داخل ہو جاتا ہے مسلمان ہو جاتا ہے۔ اس طرح دل کا ایمان کے مرتبہ تک پہنچنا ضروری نہیں۔ یہ اسلام کافی ہے کہ خود کو مسلمان کہے [3]

اب قارئینِ کرام خود ہی منصف بن کر بتائیں جو تعلیم بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے ہمارے سامنے رکھی ہے۔ اس میں کون سا پہلو ہے جو کسی کو غیر مسلم بنانے والا ہو۔ اگر اس عظیم الشان فرمان پر چل کر بھی احمدی لوگ غیر مسلم ہیں تو خدا ہی حافظ ہے۔ جبکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ خدا کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر ادا کریں تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند رہوں۔ پس ہر احمدی کا موقف یہ ہے کہ ہم مسلمان خدائے واحد لاشریک پر ایمان لاتے ہیں اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے

---

[1] سراج منیر صفحہ ۷۲ [2] منیل جلد ۱ ص ۵۳۶ ۔ [3] فی ظلال القرآن جزو ۲۶ ص ۱۴۴،۱۴۵

قائل ہیں۔ اور خدا کی کتاب قرآن اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں! اور فرشتوں اور یوم البعث اور دوزخ و بہشت پر ایمان رکھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اور اہل قبلہ ہیں اور جو کچھ حلال کیا اس کو حلال قرار دیتے ہیں۔" وغیرہ وغیرہ [۱]

ضرورتِ امام

تو مندرجہ بالا موقف لے کر جب ہم آگے چلتے ہیں تو معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ کر مسلمان ہوئے۔ پھر نماز، روزہ، حج زکوٰۃ دے کر مومن بھی ہو گئے تو کیا ضرورت تھی کہ کسی اور نبی کو یا مامور کو مانا جائے جبکہ قرآن مجید رسول خدا کی لائی ہوئی کتاب ہمارے لئے کافی ہے اور الیوم اکملت لکم دینکم ...... کا اعلان رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الوداعی خطبہ میں فرما ہی دیا تھا یعنی سوال یہ ہے کہ مرزا صاحب کیوں تشریف لائے ؟ ان کی ضرورت کیا تھی جبکہ قرآن مجید کافی ہے ؟ تو جواباً عرض ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ قرآن مجید ایک زندہ کتاب ہے اور اس کا وجود انسانیت کی بقا کے لئے نہایت ضروری ہے اور اس نے اصل میں انسانی فطرت کی تحریروں کو لفظوں کی زبان میں بدل کر رکھ دیا ہوا ہے۔ پھر بھی کتاب بولتی نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصلح دنیا کی اصلاح کے لئے آئے اور اس کتاب کے نور سے لوگوں کو منور کرے۔ پس یہ کتاب جو کتاب مکنون ہے اس کی بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ ہر فطرت اور زمانے کے مطابق اس میں اسرار و رموز حاصل ہوتے ہیں۔ اور ان کرشموں کو عیاں کرنے کے لئے کسی کا مبعوث من اللہ ہونا ضروری و لازمی امر ہے۔ تاکہ وہ کتاب اس کے ذریعہ سے بولنے لگے۔ سورۃ البینۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے البینۃ سے مراد رسول من اللہ ہے۔ اور ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کا رسول ہی دنیا کی اصلاح کر سکتا ہے۔ کوئی کتاب

---

[۱] نور الحق جزو اوّل ص۵

لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہوسکتی۔ جب چاروں طرف اندھیرا پھیل جائے جب لوگ خدا تعالیٰ سے غافل ہو جائیں اور اس سے محبت اور پیار کے تعلقات منقطع کرلیں تو خواہ وہ اہلِ کتاب ہوں۔ اُس وقت کوئی الہامی کتاب بھی ان کے کام نہیں آتی۔ صرف رسول من اللہ کام آتا ہے۔ ایسا شخص لوگوں کی نجات کا باعث بن سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوّت و رسالت کے مقام پر کھڑا ہو۔ اور قوت قدسیہ سے نفوس کو پاکیزہ کرنے کی استعداد رکھتا ہو۔

ضرورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تازہ ایمان پیدا ہو۔ اُس سے تازہ تعلق ہو۔ اس کی محبت اور پیار کے کرشمے ظاہر ہوں اور یہ بات بغیر نمونہ اور بغیر اللہ تعالیٰ کے تازہ نشانات حاصل نہیں ہوسکتی۔ بیشک اس وقت کتاب تو ہوتی ہے مگر وہ بولتی نہیں لوگوں کے لئے اُس کا وجود اور عدمِ وجود بالکل یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رسول مبعوث ہوتا ہے تو اس کے ذریعے کتاب پھر بولنے لگتی ہے۔ پھر اس کے انوار لوگوں کے قلوب کو گرماتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار کرتے ہیں۔ اور پھر ان کے ایمانوں میں ایک نئی تازگی پیدا ہو جاتی ہے [۱]

مندرجہ بالا تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی ضرورت کیا تھی؟ باقی یہ کہ ان کے آنے کا فائدہ کیا ہے جبکہ لاکھوں لوگ کفر و شرک میں تاحال مبتلا ہیں۔؟ قارئین پر یہ واضح ہو کہ نبی آنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ سب لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ اور کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہتا جو کفر و شرک میں مبتلا رہے۔ نبی آنے کے صرف یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ الٰہی قرب کا ایک راستہ کھول دیتا ہے۔ اور بنی نوع انسان کے لئے شیطان سے بچنے کے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا حاصل کرتے کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں۔ اُس کے بعد خواہ ایک شخص نبی پر ایمان لائے یا دس آدمی ایمان لانے والوں میں شامل ہوں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جب ہزاروں یا لاکھوں آدمی کفر و شرک میں مبتلا ہیں تو نبی کے آنے کا فائدہ کیا ہوا ؟

---

[۱] تفسیر کبیر سورہ البینۃ آیت ۳۔

نبی کے آنے کا فائدہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا دروازہ بنی نوع انسان کے لئے کھول دیتا ہے۔ اگر وہ دروازہ نہ کھولے تو ایک شخص بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ کوئی ایک شخص بھی اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کا پیارا نہیں بن سکتا۔ پس یہ کہنا کہ باوجود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے کفر کیوں موجود ہے حقیقت میں یہ عدم واقفیت کی وجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور سنت کو نہ جاننے سے پیدا ہوا ہے اور درحقیقت یہ اعتراض ہر نبی پر کیا گیا ہے۔ اور جب تک دنیا میں مصلح آتے رہیں گے ہوتا ہی رہے گا۔"

اس تمام گفتگو کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ اس اُمت میں ایک ایسا شخص بھیجا کرے گا جو دین کو تازہ کر دیا کرے گا اور وہ شخص جو اس صدی کے سر پر آیا تا دین کو تازہ کرے حضرت مسیح موعودؑ ہی ہیں۔ جن کی تعلیم حقیقی اسلام کا ہی مغز ہے کوئی دوسری چیز نہیں۔ مگر جو شریعت کو تازہ کر کے سکھلانے والے پر اور سیکھنے والے پر بیتی وہ قطعی مختلف نہیں تھی۔ ہر ماننے والا اس چکی میں پسا جس میں الٰہی جماعتیں ہمیشہ پستی ہیں اور یہی حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کی تقدیر ہے۔

الٰہی جماعتوں کی تقدیر

دعویٰ کے روزِ اول سے لے کر مصائب طول پکڑتے چلے گئے۔ اور ایک صدی تک ممتد ہو گئے۔ کیونکہ الٰہی سلسلے کا مقدر ہی مشکلات اور مصائب سے سنورتا ہے۔ اور یہی صعوبتیں کندن بننے میں مدد دیتی ہیں۔ ان صعوبتوں اور آندھیوں کا نقشہ میں ضرور پیش کرتی اگر وہ کسی ایک رُخ سے چلتیں۔ یہاں تو مخالفت کی بھنور نے طوفان مچا دیا۔ ہر کس و ناکس دشمن ہوا۔ ہر ملک، ہر شہر، ہر قریہ، ہر محلہ اور ہر گھر کا فرد جبہ عدو میں سامنے آ گیا۔ قطع نظر ان مشکلات کے جو آپ کی ذاتِ گرامی کو پیش آئیں۔ آپ کی آواز پر لبیک کہہ کر دین کی سادہ اور اعلیٰ اقدار کو اپنانے والے ہی پتھروں کی نظر ہو گئے۔ وہ اس مہم میں شہید کر دیئے گئے۔ صرف اور صرف اس لئے

کہ وہ مندرجہ بالا تعلیم کے تابع تھے۔ وہ موحد تھے۔ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے پیرو کار تھے۔ وہ سچے عامل تھے۔ مثالی تعلیم پر عمل کرتے تھے لیکن وہ مقدموں میں گھسیٹے گئے۔ عدالتوں کی بے انصافیوں کی چکیوں میں پیسے گئے۔ شہروں اور گلیوں میں جگہ جگہ ان کے خون کی گواہی پکار پکار کر صدا دیتی ہے کہ خدا کے ان بندوں نے بستانِ احمدیت کی اپنے خون سے آبیاری کی ہے۔ اور ۱۸۹۱ء سے لے کر تادمِ تحریر مصائب کا یہ عالم ہے کہ دن پر اگر یہ مصائب پڑیں تو وہ رات میں تبدیل ہو جائے ؎

" دن چڑھا ہے دشمنانِ دین کا ہم پر رات ہے
اے مرے سورج نکل باہر کہ میں ہوں بے قرار

مامورِ وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شعر کی زبان میں اپنی بے قراری کا نقشہ پیش فرمایا ہے لیکن بے قراریاں بڑھتی چلی گئیں مگر دشمنانِ دین بھی اپنے ارادوں میں سخت سے سخت تر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ظلم کی آخری حدیں پار کر کے وہ ہاتھ جو قرآن کو اٹھاتے تھے۔ پتھروں کو سمیٹنے لگے اور ایک موحد پر صرف اس لئے برسانے لگے۔ کہ وہ احمدی ہے۔ خدا اور اس کے رسولؐ کا سچا تابع ہے۔ حقیقی پیرو کار ہے اور فنافی الرسول ہے۔ چنانچہ وہ مسلمان جن کے محبوب رسولؐ نے چیونٹی کو مارنے سے بھی گریز کیا تھا۔ آج وحشت میں وحشی سے بدتر ہو گیا اور احمدی کے سانس کی ڈوری کھینچ لی۔ اور آنکھوں کا نور مٹا ڈالا۔ پتھروں کی زمین میں پتھر بنا ڈالا۔ صرف اور صرف اس لئے کہ وہ دینِ محمدیؐ کا پرچار کرتا تھا۔ اس کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ مامورِ وقت کو شناخت کر چکا تھا۔ خیر عدو کی بربریت کے نقشے اگر پیش کروں تو مضمون طوالت اختیار کر لے گا۔ تاہم مختصراً شہزادہ عبداللطیفؓ کی شہادت پیش کرتی ہوں۔ جس سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ الٰہی جماعتیں ہمیشہ ابتلاؤں میں ڈالی جاتی ہیں۔ وہ ہمیشہ قربانیاں پیش کرتی ہیں۔" قربانی کے لئے چنا جانا بھی ایک انعام ہے اور بڑی سعادت ہے خدا تعالیٰ جب کسی کو قربانی کے لئے چنتا ہے تو اس میں یا اس کے خاندان میں ضرور کوئی بات وہ دیکھتا ہے۔ ان کے اندر

تقوی کی کوئی ایسی روح نظر آتی ہے کوئی ایسی قربانی کی تمنا دکھائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے"۔ [1]

اختلاف رائے کی سزا ؟

ہاں تو سعادت جو شہزادہ صاحب کے گھرانے کو نصیب ہوئی وہ آپ کی شہادت ہے جو ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے کہ سرزمین افغانستان میں ایک موحد کو سنگسار کر دیا گیا تھا۔ ان کی خطا یہی تھی کہ وہ وقت کے امام کو دل وجان سے مانتے تھے۔ اور بہت سادہ اور عام فہم زبان میں وہ اقرار کرتے تھے کہ "ہم نے اُس شخص کو دیکھا ہے اور اس کے امور میں بہت غور کیا ہے اس کی مانند زمین پر کوئی موجود نہیں اور بیشک اور بلاشبہ وہ مسیح موعود ہے۔ وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔"

یہ واضح الفاظ اُن کا بیان تھا اور تبدیلی عقیدہ کی جزا و سزا بھی اگر مقصود ہوتی تو سلوک ان کے ساتھ قاتل و مفرور سا کیا گیا تھا۔ ایک من چوبیس سیر وزنی زنجیر ڈال دی گئی۔ اور پاؤں میں آٹھ سیر وزنی بیڑیاں پہنا دی گئیں اور جب وہ مقتل کی طرف پہنچائے گئے تو اس مہذب دنیا میں امیر کابل نے ان کی ناک چھید کر اُس کے اندر رسی ڈال دی۔ تب وہ رسی لے کر مقتل یعنی سنگسار کرنے کی جگہ تک کھینچتے ہوئے لے گئے۔ ہنسی۔ ٹھٹھے اور گالیاں اور ننگی تلواریں عجیب دردناک نظارہ پیش کرتی تھیں۔ ہزاروں کی تعداد میں مخلوق تماشبین تھے جن کی موجودگی میں ایک شخص کو محض فرقہ کے اختلاف کی بنا پر زمین دوز کیا جا رہا تھا۔ زمین میں وہ کمر تک گاڑے گئے۔ تو امیر کابل ان کے پاس خود گیا۔ اور کہا کہ "اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ انکار کرے۔ تو اب بھی میں تجھے بچا لیتا ہوں۔ یہ آخری موقع ہے۔ جو تجھے دیا جاتا ہے۔ اور اپنی جان اور عیال پر رحم کر۔ تب شہید مرحوم نے جواب میں برجستہ کہا کہ نعوذ باللہ سچائی سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔ اور جان کیا

[1] خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع

حقیقت ہے۔ اور عیال و اطفال کیا چیز ہیں۔ جن کے لئے میں ایمان کو چھوڑوں۔ مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اور حق کے لئے مروں گا میں ایمان کو جان پر مقدم رکھتا ہوں۔"

اس جواب کے بعد قاضی کا جواب سنگ کی صورت میں آیا۔ اور حضرت شہزادہ صاحب کو سیدھا جا کر لگا۔ گویا پہلا پتھر خود قاضی نے چلایا۔ اور دوسرا پتھر بدقسمت امیر نے چلا دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ہزاروں پتھر اس وجود پر پڑنے لگے اور جولائی کی تپتی دھوپ میں وہ شہید اپنے صدق کا نمونہ دکھا کر ہمیشہ ہمیش کے لئے زندہ ہو گیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی لاش کو تین دن تک سولی پر لٹکائے رکھا تھا۔ یاد رہے کہ یہاں امیر کابل نے وہ اندھیر کیا کہ لاش برابر چالیس دن تک پتھروں میں پڑی رہی جن سے سنگسار کیا گیا تھا۔ اُس کے بعد اُن کے ایک خاص شاگرد میاں احمد نور صاحب نے رات کی تاریکی میں وہ لاش نکال کر پوشیدہ طور پر جنازہ پڑھا کر سپردِ خاک کر دیا۔ خدا کی قدرت ملاحظہ ہو کہ زندگی چھن جانے کے تقریباً ہزار گھنٹے بعد جب لاش نکالی تو کستوری کی طرح ان کے بدن سے خوشبو آتی تھی جبکہ وقوع کے دن اگلی صبح ہوتے ہی کابل میں ہیضہ پھوٹ پڑا تھا۔ جس کا پہلا شکار ہی امیر کابل حبیب اللہ خاں کا اہل خانہ تھا۔ اور ہر روز چار سو کے قریب آدمی مرتے تھے شہادت کی رات آسمان سرخ ہو گیا تھا۔ اگر منصف بن کر دیکھا جائے تو کیا مسلمان میں اختلافِ رائے اور اختلافِ دین کی یہی سزا ہوا کرتی ہے؟ جنھوں نے لا اِکراہَ فِی الدّین کو ضابطۂ حیات بنا ہوا ہے۔

کیا بیتی؟

اس مہذب دنیا میں اختلافِ رائے کی بنا پر قادیانی پر کیا بیتی؟ یہ لمبے قصے ہیں۔ صرف یہ بتا دینا کافی ہوگا کہ وہی بیتی جو ہمیشہ الہٰی جماعتوں کا مقدر ہوتا ہے۔ کیونکہ ابتلا روحانی ترقی کا زینہ ہے۔ اس پر چڑھتے ہوئے مصائب و الم سے گزر کر متقی ہمیشہ بچائے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ تقویٰ کے قلعے میں ہیں۔ اور

بالآخر اس کی استقامت کے نتیجہ میں فرشتے ان پر اُترتے ہیں۔ اور وہ اسی دنیا میں ان کو بشارتیں اور جنتیں عطا کر دیتے ہیں۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ جماعت کو تاکید کرتے ہیں کہ "اگر ابتلاء آوے تو گھبرانا نہیں چاہئے۔ ابتلاء مومن کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت روح میں عجز و نیاز اور دل میں ایک سوزش اور جلن پیدا ہوتی ہے۔ جس سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے آستانہ پر پانی کی طرح گداز ہو کر بہتا ہے۔ ایمان کامل کا مزہ ہم و غم ہی کے دنوں میں آتا ہے۔" [1]

پس یہ لائحہ عمل لے کر جماعت ہمیشہ آگے بڑھتی چلی گئی اور کبھی قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ المختصر یہ کہ ضروری اور واضح مصائب کا بیان کہاں تک ہو؟ ایک دو سانحے آپ کے سامنے رکھے ہیں۔ جو جماعت کو آنکھیں کھولتے ہی جھیلنے پڑے اور سچ تو یہ ہے کہ ایمان کی پختگی بھی یہیں سے نصیب ہوتی ہے اور جتنے گمبھیر مصائب ہوتے ہیں۔ اتنی اُس جماعت کے عزم میں پختگی ہوتی ہے۔ یہ یاد رہے کہ مصائب اور صعوبتیں اختلافِ عقیدہ اور اختلاف رائے کے مواخذہ میں تھیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ حالات اتنے نازک ہو گئے کہ وہی ستون جو کبھی اسلام کی پرکھ تھے۔ شناخت تھے۔ اور بنیاد تھے۔ اسلام کے ٹھیکیداروں نے از خود اسلام کی عالیشان عمارت کے نیچے سے احمدی کے لئے نکالنے شروع کر دیئے۔ اپنی اجارہ داری کے ثبوت میں وہ یہ تک بھول گئے کہ ہم غیروں کو مسلمان بنانے کے بجائے مسلمان کو ہی دائرہ اسلام سے خارج کرنے لگے ہیں۔

[1] ملفوظات جلد ۵، صفحہ ۲۳۰

آج کے علماء کا کارنامہ

اخبار روزنامہ "امن" لکھتا ہے۔

"جماعتِ احمدیہ کے رہنما پاکستان میں اپنے ارکان کی تعداد ساٹھ لاکھ بتاتے ہیں۔ وہ خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ اپنی عبادت گاہ کو مسجد قرار دیتے تھے۔ قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے تھے! اور اُن کی مسجدوں پر کلمہء طیبہ بھی کندہ ہوتا تھا ہمارے علمائے کرام کو اگر اُن کے مذہبی عقائد میں کوئی نقص یا عیب نظر آتا تھا تو وہ انھیں صراطِ مستقیم دکھا سکتے تھے۔ اُن کو اپنے عقائد کی اصلاح پر آمادہ کر سکتے تھے۔ مگر یہ سب کچھ نہیں گیا کیا گیا اور اُن کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا گیا۔ آئین میں بھی ترمیم کر دی گئی اور اُن کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق جماعتِ احمدیہ کے ارکان کی تعداد کتنی ہے؟ اگر اُن کی تعداد واقعی پچاس ساٹھ لاکھ ہے تو اُن کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا کام عیسائی مشنریوں نے انجام نہیں دیا۔ یہ ہمارے اپنے علمائے کرام کا کارنامہ ہے کہ انھوں نے احمدیوں کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں غیر مسلم ٹھہرا دیا۔ عیسائی پادریوں نے بیس ہزار مسلمانوں کو عیسائی بنانے کا دعویٰ کیا ہے لیکن احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا "کارنامہ" کس کے کھاتے میں ڈالا جائے۔؟ اگر مذہبی عقائد پر اختلافات کو بڑھانے اور مذہبی جنون کو ہوا دینے کا سلسلہ جاری رہا تو ایک روز اسماعیلی جماعت کے پیروکاروں اور پھر داؤدی بوہرہ جماعت کے ارکان کی باری بھی آسکتی ہے پھر سُنّی اکثریت یہ دعویٰ کرے گی کہ پاکستان کو سُنّی اسٹیٹ بنایا جائے۔ اس کے بعد شاید کسی روز یہ مطالبہ بھی سننے میں آجائے کہ جو کوئی درود و سلام پر یقین نہیں رکھتا وہ پاکستان سے نکل جائے ڈاکٹر اسرار احمد پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ ہمارے ہاں صرف دس فیصد مسلمانوں کو اسلام سے دلچسپی ہے اور اسلام کے نام پر اسلام کا استحصال ہوتا رہا یا موجودہ نظامِ حکومت تبدیل نہیں کیا گیا تو یہ دس فیصد مسلمان بھی کمیونسٹ ہو جائیں گے۔" (از روزنامہ امن کراچی)

قادیانیوں کی کلمہ مہم

اس پوسٹر کا جواب یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہم زمانہ حال میں داخل ہو کر جائزہ لیں کہ پاکستان میں کلمۂ توحید کا کیا حشر ہوا؟ کس رنگ میں نوازہ گیا۔ یہ تو واضح ہو گیا کہ چھٹی صدی عیسوی کے مسلمان یعنی اوّلین کے خلاف کیا مہم چلتی رہی اور کس کس کسوٹی پہ پرکھے گئے۔ کن مصائب کا تختۂ مشق بنائے گئے لیکن کلمۂ توحید کو انھوں نے اپنے سینہ سے ہی لگائے رکھا۔ آپ جانتے ہیں کہ مکّہ میں بھی عرب جمہوریت کا مطالبہ تھا اور قوم نے چار دفعہ آپؐ کے سامنے یہی مطالبہ دہرایا تھا کہ کلمہ طیبہ پڑھنا چھوڑ دیں۔ وہ مُصر تھے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنا چھوڑ دیں۔ یہ ان کا اجتماعی فیصلہ تھا۔ چوٹی کے سرداروں کا اجتماع تھا۔ تمام قریش اس میں شامل ہوئے تھے اور یہی مطالبہ کیا تھا "ساری قوم کا فیصلہ ہے کہ تم یہ کر سکتے ہو یہ نہیں کر سکتے۔ اور وہ فیصلہ بنیادی طور پر یہی تھا۔ کہ ہم تمھیں کلمہ طیبہ نہیں پڑھنے دیں گے۔ اتنی سی بات ہے۔ اس میں کون سا شدید مطالبہ ہے کہ تم اس کلمہ سے اپنا تعلق کاٹ لو۔ اور قوم تمہارے لئے سختیوں کی بجائے اپنے سارے نرم پہلو تمہاری خدمت میں پیش کر دے گی۔ اور جتنے مفادات دنیا کے تمہارے ساتھ وابستہ ہو سکتے ہیں تمہارے لئے سارے مہیا کرے گی!"

لیکن سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک زندہ اور پائندہ جواب تھا۔ وہ ایسا جواب نہیں تھا کہ وقت کے لمحے کسی وقت بھی اُسے کاٹ سکیں اور ختم کر سکیں وہ امر تھا۔ گزرتا وقت اس پر کسی قیمت سے بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ لازوال تھا وہ جواب ہے اور رہے گا۔ اور وہ یہ تھا کہ تمہاری طاقتیں اپنے سارے کر و فر کے ساتھ جو چاہیں کر گزریں اس پیارے کلمے سے تم ہمارا تعلق نہیں توڑ سکتے۔ اس کلمہ سے ایک ذرہ بھی انحراف کی ہمارے لئے گنجائش نہیں ہے۔

سو آج پندرھویں صدی ہجری میں یہی زندہ پائندہ جواب ارضِ پاکستان میں

عملی رنگ میں دہرایا جا رہا ہے۔ آج ہر احمدی بچہ۔ بوڑھا۔ اور جوان یہی جواب پائندہ کر کے دکھا رہا ہے۔ یاد رہے کہ کلمہ دشمنی میں اولین کا سامنا مشرکین وکفار سے تھا۔ لیکن تعجب یہاں یہ ہے کہ خطۂ پاکستان میں آخرین کو کلمہ گو مولویوں کا سامنا ہے اور یہ شرمناک بات ہے کلمہ دشمنی خود کلمہ گو کر رہا ہے خود لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ کہنے والا خود لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے کی ہی گردن زنی کر رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب قارئین کی مرضی ہے کہ اس مہم کو کلمہ طیبہ کی مہم کہہ لیں یا قادیانی مہم کا نام دیں۔ اصل میں مختلف لبادوں میں علماء صفِ دشمن میں چہرے بدل بدل کر جا کھڑے ہوتے ہیں۔ اور آج کلمہ طیبہ کی مہم کو لے کر کلمہ گو خود ہی کلمہ گو کے خلاف آ کھڑا ہوا ہے۔ ثم انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گویا ضارب ومضروب دونوں ہی ایک اللہ کا اقرار اور ماسوا کا انکار کر کے توحید اور رسالت کے عقیدہ کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں یعنی خدا تعالیٰ کی حاکمیت آسمان پر اور رسالت محمد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر ان کا عقیدہ اور شریعت ہے۔ کیونکہ دونوں ہی توحید کے دعویدار ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ آج کے علماء دین کو سیاسی ہتھکنڈوں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وہ دین کے علم اور شعائر اسلام سے قطعی نابلد ہیں۔ صرف مذہبی جنون ان کے سر پر کبوتر کی طرح سوار ہے۔ اس کے نتائج کیا نکلیں گے یہ ان کا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ تو پاکستان میں مسائل پیدا کرنے کے لیے آئے تھے۔ سو وہ اپنی منافرت پھیلانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ ذرا ملاحظہ ہو ۲۰ مارچ ۱۹۹۶ء کا روزنامہ امن کیا کہتا ہے۔

سدا بہار جھگڑا

ہمارے ملک کا نام پاکستان ہے اور ہم اسے اسلامی جمہوریہ قرار دینے کے علاوہ ایک نظریاتی مملکت بھی قرار دیتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں فرقہ وارانہ تعصب بڑھتا جا رہا ہے اور اسلامی اخوت کا جذبہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ مذہبی جنون کو بڑھانے اور

پھیلانے کا ایک نتیجہ تو نکلا کہ مخصوص دنوں میں سنی شیعہ کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔
اور دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض فرقے زیادہ سے زیادہ مسجدوں پر قبضہ کرنے کی دوڑ
میں شریک ہو گئے۔ ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ مسجد میں درود و سلام کی آواز کیوں بلند
ہوتی ہے؟ دوسرا کہتا ہے کہ مسجد میں درود و سلام کی آواز کیوں نہیں آتی۔ اس جھگڑے
نے جو شدا بہار نوعیت کا ہے۔ سیدھے سادے مسلمانوں کو بہت زیادہ پریشان
کیا ہے اور اس جھگڑے کی وجہ سے نہ صرف مسجدوں میں قفل لگانے پڑے ہیں بلکہ وہاں
پولیس کا پہرہ لگانا پڑا ہے تاکہ اللہ کے گھر میں مزید خون ریزی نہ ہو۔۔۔
(از کالم حمیرہ خان ۲۰ مارچ ۱۹۸۶ء)

زیادہ تفصیل کی بجائے علامہ اقبال کا نعرہ لے کر ہم آگے چلتے ہیں۔

دینِ ملا فی سبیل اللہ فساد

آج کل پاکستان میں مذہب کے نام پر اپنے ہی نشیمن کو اپنے ہاتھوں تباہ
کرنے کا مکروہ اور گھناؤنا کھیل کھیلا جا رہا ہے جس کے نتیجہ میں:

- مختلف فرقے آپس میں دست و گریباں ہیں۔
- عبادت گاہوں کی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔
- کئی بے گناہوں کو اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھونے پڑے ہیں۔

کیا آپ جانتے نہیں کہ

ان باتوں کی ذمہ داری ان تنگ نظر ملاؤں پر عائد ہوتی ہے جو:

- اپنی من مانی تاویلوں اور کارروائیوں کو اسلام نام دیتے ہیں۔
- جو اپنے مقام و مرتبہ کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

انہی ملاؤں کے متعلق !!

مخبرِ صادق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے

اپنی اُمت کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقیٰ من الاسلام الا اسمہ ولا یبقیٰ من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃٌ وھی خرابٌ من الھدیٰ علماءھم شرّ من تحت ادیم السّماء من عندھم تخرج الفتنہ وفیھم تعود (مشکوٰۃ کتاب العلم)

(ترجمہ) حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ نہیں رہے گا۔ الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اس زمانہ کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر تو آباد نظر آئیں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی اُن کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والی مخلوق سے بدتر ہوں گے۔ اُن میں سے فتنے اُٹھیں گے اور ان میں ہی لوٹ جائیں گے۔

تکون فی امتی فزعۃ فیصیر الناس الی علمائھم فاذا قردۃٌ وخنازیر۔ (کنز العمال) (ترجمہ) کہ میری امت پر ایک زمانہ اضطراب اور انتشار کا آئے گا۔ لوگ اپنے علماء کے پاس رہنمائی کی امید سے جائیں تو وہ انھیں بندروں اور سؤروں کی طرح پائیں گے۔

وسیجئ بعدی قوم یرجعون بالقرآن ترجیع الغنا والنّوح لا یجاوز حناجرھم، مفتونۃ قلوبھم وقلوب الذین یعجبھم شانھم (مشکوٰۃ ص ۱۹۱)

ترجمہ:- میرے بعد بعد کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن کو موسیقی اور نوحہ کی طرح گا گا کر پڑھا کریں گے (قرآن) کے حلق سے بھی نیچے نہیں اُترے گا۔ ان کے دل بھی فتنہ میں مبتلا ہوں گے اور ان لوگوں کے دل بھی جن کو ان کی نغمہ آرائی پسند آئے گی۔

بڑے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی — جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی — مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ — یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

(مولانا حالی)

پس اے مسلمانو!

یہ پیش خبریاں محض اس وجہ سے آپ کے علم میں لائی جا رہی ہیں تاکہ آپ نہ صرف خود اس فتنہ سے بچیں بلکہ اپنے دیگر بھائیوں کو بھی ملاّؤں کے اس شر سے محفوظ رکھنے کی تدابیر سوچیں؟

اپریل ۱۹۸۴ء میں جب ہمارے پاکستان پر ایک آمر کا راج تھا۔ سرحدوں کی رکھوالی کرنے والے جب اپنے ہی ملک پر قابض ہوئے تو بہت سی بدعنوانیاں ان کی طرف منسوب ہونے لگیں قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ کیونکہ قبضہ کی نشاندہی تو ہی چیز کر سکتی ہے۔ رشوت ستانی۔ آزادیٔ ضمیر کا فقدان اور ہیروئن جیسی منشیات کی لعنت اور ڈاکوؤں کی خود کفیل پیداوار ملک کا مقدر بن گئی۔ اصل میں ۲½ ڈھائی گھنٹے کی بادشاہت کا خوف ایسے ہی کھیل لایا کرتا ہے لیکن یہ دور آمریت اور آگے بڑھا اور دینِ محمدی کا اجارہ دار بن گیا لیکن یاد رہے مذہب پر قبضہ کرنا بہت مشکل امر ہے۔ کیونکہ اس کا معاملہ خدا اور بندے سے ہوا کرتا ہے لیکن آج خدا کے بندے گرفت آمریت میں تھے۔ آمریت نے گرفت مضبوط کی اور ان کے دین و مذہب پر ایک آرڈیننس جاری کر دیا۔ کہ

احمدی حضرات :-

۱۔ نہ اپنی عبادت گاہوں کو مساجد کا نام دے سکتے ہیں۔

۲۔ نہ وہ اپنے عقائد کی تبلیغ سرعام کر سکتے ہیں۔

۳۔ نہ وہ مخصوص اسلامی اصطلاحات استعمال کر سکتے ہیں۔

۴۔ نہ نماز سے پہلے اذان دے سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام پابندیاں واضح کرتی ہیں کہ اقتدارِ اعلیٰ کو قرآن و احادیث سے قطعی ناواقفیت ہے۔ وگرنہ وہ دینِ اسلام کے منافی ایسے احکامات نہ نافذ کرتے۔ اچھا تو موضوع کے اعتبار سے ہمیں اس وقت کلمہ طیبہ پر ہی بات کرنا مقصود ہے۔ اور یہ مہم بہت زور

وشور سے چل پڑی ہے۔ اے کاش! وہ جانتے کہ اسلام حریت اعتقاد کے معاملہ میں بہت فراخ دل ہے۔ اس بارے میں علامہ عبدالوہاب اپنی کتاب السیاسۃ الشرعیہ میں تحریر کرتے ہیں۔" اسلام نے حریت و اعتقاد کو تسلیم کیا ہے۔ ہر فرد کو آزادی کامل عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنی عقل و نظر اور فکر و فہم کو بنیاد و اساس بنا کر جو عقیدہ چاہئے اختیار کرے۔ اسلام نہ صرف مذہبی آزادی کا علمبردار ہے بلکہ حریتِ فکر اور حریتِ اعتقاد کی ضمانت بھی فراہم کرتا ہے۔"

کلمہ طیبہ عبادت گاہوں سے۔ گھروں سے سینوں سے مٹا دینے کی مہم بڑے عروج پر ہے۔ انتہائی کوشش ہے کہ مسلمان خود آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان صفحہ ہستی سے مٹا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ [1]

یعنی جتنے رسول ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ہیں اُن سب کی طرف یہی پیغام بھیجا کرتے تھے کہ بس میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔

مگر حکومتِ پاکستان نے کلمہ طیبہ کو حکماً مٹوا کر منکرین کی صف میں جگہ حاصل کرلی ہے کیونکہ کلمہ پڑھنے سے احتراز کرنے والا بھی منکر ہے اور کلمہ در و دیوار سے مٹانے والا بھی منکر بلکہ منکر سے بڑھ کر ہے۔ کلمہ توحید تو وہ مبارک کلمہ ہے جس کو پڑھنے پر آپؐ نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کو خوشخبری دی تھی۔ یعنی عین اُن کی وفات کے وقت سرورِ کائنات نے فرمایا تھا کہ

" اے چچا اگر تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہہ تو اس کلمہ کے کہنے پر تیرے واسطے میں جھگڑ لوں گا۔ یعنی تیرے اسلام کی گواہی دے کر تجھ کو بخشوا لوں گا۔"

لیکن پاکستان میں بخشش کا ضامن یہ کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا سہارا جب ایک تھرڈ

---

[1] سورہ انبیاء آیت ۲۵

کلاس گاڑی یا ٹرک کے سر پر باندھ دیا جاتا ہے تو وہ اُسے سجاتا ہے اور حفاظت کا امین ہوتا ہے لیکن وہی بعینہٖ وہی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ جب کوئی احمدی باندھ لیتا ہے تو نہ صرف اس کی مار پٹائی ہوتی ہے اور گالیاں کھاتا ہے۔ دھتکارا جاتا ہے بلکہ پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ سامنے والے صفحہ

BRITAINS BIGGEST

ASIAN WEEKLY

NEW LIFE

VOL. 9 FRIDAY 29th NOV. 1985

پر ثبوت موجود ہے۔

چور اور ڈاکوؤں کے ساتھ اس کو مقید کر دیا جاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ وہ پیزر بان کلمہ بھی بھاری بوٹوں کے نیچے مسل کر پیوند خاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ معلوم وہ احترام جو مسلمان کلمہ گو کے دل میں اسلام کے ستونِ اول کا تھا کہاں گیا؟ صرف اندھی دشمنی کی بھینٹ اپنے بنیادی ستون کو چڑھا دیا گیا۔ حالانکہ یہ تو شناخت میری۔ تیری اور اُن سب کی تھی جو خطہ پاکستان کی ملکیت کلمہ کو بنائے بیٹھے تھے۔ کیا ہوا وہ جملہ؟ پاکستان کا مطلب کیا؟ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" آج وہی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یعنی مطلبِ پاکستان پولیس کے پاؤں کے نیچے پامال ہوتا ہے۔ پاکستان والو! آج تم نے پاکستان کا مطلب ہی روند ڈالا۔ آج وہ کلمہ تم نے نوچ کھسوٹ کر خاکستر کر دیا جس کے لئے کبھی حضرت بلالؓ لہولہان ہوئے تھے۔ کبھی حضرت سمعیہؓ کی ٹانگیں چیر دی گئیں اور کبھی صحابہ کرامؓ کے سروں پر آرے چلا دیئے گئے تھے۔ اور وہ زبانیں گدی سے کھینچ لی گئی تھیں۔ جو احد۔ احد کہتی تھیں۔ آج پھر چودہ سو برس بعد ارضِ پاکستان میں کئی وہ زبانیں کھینچ لی گئی ہیں۔ اور ہمیشہ کے لئے خاموش کرا دی گئی ہیں۔ جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھتی تھیں۔ لکھتی تھیں۔ اور سجاتی تھیں آج پھر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والے کا مقدر خون کا غسل ہو گیا ہے۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ جہالت ضد اور مخالفت کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں ملاں کی عقل و علم کی ابتدا

پابند سلاسل

سندھ میں گرفتاریاں

فیصل آباد کے اسیر

ہوتی ہے۔ مزید براں محترم جناب اکبر بگٹی صاحب کا بیان وضاحت کرکے حکام کی سرپرستی پر مہر ثبت کرے گا۔

"احمدیوں کی حمایت میں اکبر بگٹی کا بیان" زیرِ عنوان درج ہے۔

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر

کوئٹہ ۸۔ نومبر (پ ر) بلوچستان کے سابق گورنر اکبر بگٹی نے آج یہاں ایک بیان میں کہا کہ سندھ پنجاب اور بلوچستان میں شائع شدہ خبروں کے مطابق چند خفیہ تنظیمیں جن کو بعض حکام کی سرپرستی بھی حاصل ہے۔ آج کل احمدیوں کو ستانے کے درپے ہیں۔ وہ نہ صرف ان کے اعتقادات میں دخل اندازی کررہی ہیں بلکہ ان کی املاک اور جان کو بھی خطرہ میں ڈال رہی ہیں۔ سندھ میں احمدیوں کا تسلسل سے قتل ہوا ہے اور حملہ آوروں اور قاتلوں کا قانون سے بچ نکلنا ایک معمول ہی بن گیا ہے۔ اکبر بگٹی نے کہا کہ یہ صورتِ حال ملک کی فوجی حکومت کی کوتاہ نظری اور ذاتی مفاد پر مبنی لیکن ملک کے لئے تباہ کن پالیسی کا قدرتی نتیجہ ہے۔ حکومت کی یہ پالیسی بنیادی انسانی حقوق اور مذہبی رواداری کے بالکل منافی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اقلیتوں کے بنیادی حقوق پامال ہو گئے ہیں' انھوں نے کہا گذشتہ سال فوجی حکمرانوں نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ احمدیوں کو اپنے مذہبی فرائض انجام دینے' اذان دینے حتیٰ کہ اس بات کا سچائی کے ساتھ اعلان کرنے پر بھی کہ وہ اپنے آپ کو کس مذہب کا پیرو سمجھتے ہیں منع کردیا ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ملکی حکومت اپنے شہریوں کو اپنے مذہب کی تعلیم پر عمل کرنے کی سزا دیتی ہے۔

عقل سے عاری اس پالیسی کی گونج اقوامِ متحدہ میں بھی سنی گئی جہاں حال ہی میں بنیادی حقوق کی کمیٹی نے حکومتِ پاکستان کی اس پالیسی پر نفرت

کا اظہار کیا ہے۔ اور مطالبہ کیا ہے کہ یہ قابل اعتراض قانون واپس لیا جائے۔ یہ بات قطعاً حیران کُن نہیں ہے کہ دنیا کے اس سب سے بڑے ادارے میں حکومتِ پاکستان کا یہ عمل اور رجعت پسندانہ قانون تمسخر اور تذلیل کا باعث بنا۔ اکبر بگٹی نے تمام محب وطن شہریوں کو تلقین کی کہ وہ تمام مذہبی اقلیتوں اور قومیتوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کریں نیز مذہبی رواداری، آزادیٔ اظہارِ خیال، اجتماع اور اشاعت کے حقوق کے لئے جدوجہد کریں اور بھر ان کا تحفظ کریں۔ (جسارت کراچی صفحہ ۱۰۔ ۹ر نومبر ۱۹۸۵ء)

پاکستان میں آج احمدی کلمہ پڑھ کر نہ صرف پا بہ زنجیر ہوتا ہے بلکہ وہ نماز پڑھتا تو سرِعام کوڑے کھاتا ہے وہ کسی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتا ہے تو قید بامشقت کاٹتا ہے۔ وہ مسجد بناتا ہے تو عتاب اور سزا سے اُسے واسطہ پڑتا ہے۔ وہ حج ایسی یکتا عبادت ادا کرنے جاتا ہے تو اسے اور اس کے اہل خانہ کو کال کوٹھری میں ٹھونس دیا جاتا وہ تو نور لینے گیا تھا۔ جیل کی تاریکی میں اس کو دھکیل دیا جاتا ہے۔ آخر کیوں بلد الامین کی زمین اس پر تنگ ہو گئی۔

کبھی تو عوام سوچیں

" اصل میں آج کا مسلمان زمانہ کی دوڑ دھوپ میں ایسا پڑ گیا ہے کہ مذہب کے متعلق سوچنا کم ہے۔ چند ایک مذہب کے ٹھیکیدار بڑے بڑے جبہ پوش آگے آئے ہوئے ہیں اور عوام کے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلا رہے ہیں خیر احمدی بھی ان مصائب میں کیا لذّت اٹھاتے ہیں۔ کاش لوگ جان جائیں کہ احمدی کا ایمان ہے کہ ابتلاء اور مصائب میں اخلاقی طاقتیں جلا پاتی ہیں۔ اور جس کا متکفل خدا ہو اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اور کوئی مقابلہ کرنے والا ضرر نہیں دے سکتا۔"

اگر مسلمان پاکستان میں کلمہ دوستی اور کلمہ دشمنی کا فرق جان لیں تو علماء کا

حشر مشرکین مکہ سے کم تر نہ ہو۔ حنیف رامے کے نکتہ نظر پر غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ آج ایک آمر نے پاکستان کے آٹھ کروڑ آدمیوں کو بے یقینی کی اذیت میں مبتلا کر دیا ہے۔ اسلام کا نام لینے والا آمر اسلام کے پھیلاؤ سے خوف زدہ ہے۔ اے میرے وطن کے بابیو!! تم تو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دعویٰ دار ہو۔ تمھیں کیا ہوا؟ کہ تمھارے ملک میں تمہارے ہی سامنے جیل کی کوٹھریاں بھر دی جاتی ہیں۔ صرف اس لئے کہ کلمہ طیبہ کو، مسجد کی پیشانی سے احمدیوں نے مٹانے کھرچنے نہیں دیا۔ کلمہ سینہ پر آویزاں کرنا تو ایک بات کلمے کو کھرچنے سے منع کرنے پر بھی قانون حرکت میں آتا ہے اور جیل کی کوٹھری مقدر بن جاتی ہیں۔ یہ بات حکومت کے خون کو جوش دلا کر اندھا کیوں کر دیتی ہے۔؟؟

کوئٹہ ایک پرامن شہر ہے مگر وہاں ۸۶ آدمی صرف اس لئے پابند سلاسل ہوئے ہیں کہ انھوں نے شر پسند لوگوں کو کیچڑ مل کلمہ مٹانے سے روک دیا تھا۔ پاکستان کا ہر شہر اس عظیم خدمت کو سرانجام دے رہا ہے۔ اس ناروا زیادتی کے لئے جناب حنیف رامے کا نقطہ نظر ملاحظہ ہو۔

: یہ کلمہ دوستی ہے یا کلمہ دشمنی

جناب حنیف رامے کا یہ مضمون قطعی طور پر ان کا ذاتی نکتہ نظر ہے۔ اس سے جہاں ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ وہاں لاتعداد مسلمانوں کو اس سے اختلافِ رائے کے لئے جنگ کے صفحات حاضر ہیں۔

دس فروری ۱۹۸۵ء کے اخبارات میں فیصل آباد کی اس خبر نے دل دہلا کر رکھ دیا ہے کہ تقریباً بیس بائیس احمدیوں کو اس "جرم" میں گرفتار کر لیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے سینوں پر کلمہ طیبہ کے بیج لگا رکھے تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر خبر کا یہ حصہ غور طلب ہے کہ کچھ مقامی علماء نے اس پر اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا ہے۔ بہت سے افراد کے

اچھی بات لکھ دی ہو، کیا آئندہ ہمارے علماء ان کتابوں کے بھی جلانے کا اہتمام کیا کریں گے۔

میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اسلام پر صرف مسلمانوں کی اجارہ داری نہیں، اسلام کا خدا رب اللعالمین ہے اس کے پیغمبر رحمۃ اللعالمین ہیں اور اس کا قرآن ذکر اللعالمین ہے۔ اسلام سب قوموں جمعیتوں اور گروہوں کی یکساں میراث اور امانت ہے۔ دوسرے اسے جتنا بھی قبول کرتے چلے جائیں ہمیں اس پر ناراض ہونے کے بجائے خوش ہونا چاہیئے۔ لیکن ہمارے علماء نے جو وطیرہ اختیار کر رکھا ہے اس سے نہ صرف اسلام کی اشاعت رک جائے گی بلکہ اسلام کے بارے میں دنیا بھر میں یہ تاثر پھیلے گا کہ یہودیت کی طرح یہ بھی ایک جابرانہ مذہب ہے جس میں چند گروہوں کی اجارہ داری ہے۔ حکومتِ وقت کے بقول پاکستان کی بنیاد لاالٰہ الّا اللہ پر اٹھائی جا رہی ہے۔ پھر اس پاکستان میں کسی کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کی مذہبی آزادی چھین کر اس کا خدا بننے کی کوشش کرے کلمہ طیبہ تو انسان پر خدا کے سوا کسی کے غلبے کو تسلیم ہی نہیں کرتا اس لئے پاکستان میں ہر شخص ہر فرقے اور ہر اقلیت کو مذہبی آزادی ہونی چاہیئے اور اگر وہ فرقہ یا اقلیت اسلام ہی کے کلمے کو اپنا کلمہ قرار دیتی ہے تو اس پر ناخوش ہونے کے بجائے طمانیت اور شادمانی کا اظہار کرنا چاہیئے میں سمجھتا ہوں کہ جماعتِ احمدیہ کے سلسلے میں اہلِ پاکستان اور حکومتِ پاکستان کو از سرِ نو غور کرنا ہو گا کہ ۱۹۴۷ء میں جماعتِ احمدیہ نے پاکستان کی حمایت کی تھی آج جماعت اسلامی تو پاکستان اور پاکستان کے نظریئے کی ٹھیکیدار بن بیٹھی اور بنا دی گئی ہے لیکن اس ملک میں جماعت احمدیہ کے سیاسی، اقتصادی، سماجی، اور مذہبی حقوق بھی محفوظ دکھائی نہیں دیتے میری ذاتی رائے ہے کہ قومی سطح پر یہ ایک "ناروا زیادتی" ہے اور اس کا تدارک ہونا چاہیئے۔

کلمہ طیبہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اگر ہماری حکومت اور ہمارے علماء نے احمدیوں کی مساجد کی پیشانیوں سے اسے مٹانے کی روش ترک نہ کی اور حد سے

گزرکر احمدیوں کے سینوں سے بھی اسے نوچنا شروع کردیا تو ایک بات طے ہے کہ کلمہ تو نہیں مٹے گا کیونکہ اس کا محافظ خود خدا تعالیٰ ہے البتہ خدشہ ہے کہ اس کے مٹانے اور نوچنے والے کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوجائیں تکلف برطرف میرا وہم مجھے تھوڑا اور بھی آگے لے جاتا ہے۔ اور میں ڈرتا ہوں کہ جس پاکستان میں اللہ کی مساجد سے اس کا کلمہ مٹانے کی کوشش ہورہی ہیں خواہ وہ مساجد احمدیوں کی ہوں اگر اس کے باسی اس کلمہ دشمنی پر چپ رہے تو کہیں خدانخواستہ پاکستان ہی کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ میں حکومتِ وقت سے علمائے کرام سے اور ان سے بھی بڑھ کر پاکستان سے محبت رکھنے والے عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ میری ان گزارشات پر ٹھنڈے دل سے سوچیں میں احمدی نہیں ہوں، میرے دور و نزدیک کے رشتہ داروں میں بھی کوئی احمدی نہیں ہے بس ایک سیدھے سادے پاکستانی مسلمان کے طور پر کلمہ دشمنی کی اس روش سے مجھے خوف آرہا ہے یہ کلمہ دشمنی نہ صرف ہماری صفوں میں مذہبی رواداری کے فقدان پر دلالت کرتی ہے بلکہ ہمارے منافقانہ رویّے کی بھی غماز ہے۔ غور کیجیے کہ ایک طرف تو ہم کلمہ دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ کے نعرے لگاتے پھرتے ہیں اور دوسری طرف اسی پاکستان میں اس کلمے کو مٹانے کے درپے ہوگئے ہیں۔ اس سے زیادہ منافقت کیا ہوگی یقیناً ہر انصاف پسند اسے کلمہ دوستی کے بجائے کلمہ دشمنی ہی قرار دے گا۔

اسی طرح (سیالکوٹ) سمبڑیال پولیس نے جماعت احمدیہ کے مقامی امیر اور سابق رکن صوبائی اسمبلی چوہدری محمد اعظم صاحب کو آج گرفتار کرلیا ہے ان پر صدارتی آرڈیننس کی خلاف ورزی کا الزام لگایا گیا ہے۔ پولیس کے مطابق انھوں نے اپنے گھر پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔

ایک اور مضحکہ خیز اطلاع سنئے اور حکام کی ستم ظریفی پر غور کیجیے۔ ماڈل کالونی کراچی میں بھی احمدیوں کی ایک مسجد ہے۔ جو کہ سنتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کلمہ طیبہ سے مزین ہے۔ دو ایک بار تہجد کے وقت نمازیوں کی وہاں پکڑ دھکڑ

بھی ہوئی۔ مسجد کو سیل بھی کیا۔ ڈرگ روڈ سے ۹۴ احمدیوں کو گرفتار بھی کر لیا گیا۔
S.D.M کے حکم سے ڈرگ روڈ کی مسجد سے کلمہ نوچ بھی دیا گیا۔ لیکن سکون نصیب
نہ ہوا آخر وہ دلفریب نظارہ۔ جہاں سے کلمہ طیبہ نظر آتا تھا۔ چھپانے کے لئے
ایک دیو قامت دیوار کو بلند کر دیا گیا تا آنکہ مسلمانوں کا ایمان و یقین مجروح نہ ہو۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔ میرے ساتھ سید محمد تقی صاحب نے بھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا
اِلَیۡہِ راجعون پڑھ کر

"تفو بر تو اے چرخ گردان تفو"

کہہ کر پاکستان کے باضمیر حلقوں کو متوجہ کیا ہے۔

تہذیبی زندگی کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ایک طاقتور حکمران کو اس کی غلطی پر ٹوک دیں
مسئلہ یہ بھی ہے کہ رائے عامہ کے تیز بہاؤ کے خلاف تیرنے کی ... کوشش بھی کبھی کی
جائے۔ لوگ غلط سمت میں جا رہے ہوں تو انھیں متنبہ کرنے کی جسارت بھی موجود
ہو۔ سارتر (یا سارت) بہت بڑے مفکر ادیب اور دانشور تھے لیکن مجھے ان کا وہ جواب
ایک آنکھ نہ بھایا۔ جو انھوں نے اس سوال کے سلسلے میں کہ یاسیت کیوں آن کا محبوب موضوع
بنتی ہے یہ کہہ کر دیا تھا۔ اس لئے کہ پڑھنے والوں کی اکثریت اسے پسند کرتی ہے۔ بات
تو وہ کہی جائے جسے کہنے والا صحیح سمجھتا ہو اور یہ نہیں تو خاموشی تو ایک ایسا نسخہ ہے جسے
اکابرنے عام طور پر سب کے لئے تجویز کیا ہے۔

برادرم حنیف رامے ایک دانشور ہیں اور دانشوری کے ساتھ ممتاز سیاستدان بھی'
دانشور عام طور پر اظہار خیال میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ جری ہوا کرتے ہیں۔ لیکن
اسی نسبت سے سیاستدان بات کہتے ہیں تو مصلحت یا ہوش مندی کے ترازو میں تول کر'
لیکن دانشور حنیف رامے نے پچھلے دنوں جنگ لاہور میں احمدیوں کے بارے میں جو مضمون
لکھا ہے۔ اس میں دانشوری کا عنصر انتہائی خوشگوار انداز میں سیاستدانی کے پہلو اور مصلحتوں
پر غالب آ گیا ہے

احمدی نوجوان چند دنوں سے کلمہ اپنے سینوں پر سجا کر اسلام سے اپنے گہری

عقیدت کے اظہار کے لئے عوام میں گھومتے ہیں لیکن پولیس کو یہ بات ناگوار گزری اور اب تک درجنوں احمدی نوجوان اس جرم میں (جی ہاں۔ جرم میں) گرفتار کئے جا چکے ہیں۔ رامے صاحب نے اسی حرکت کے خلاف ملک کے باضمیر حلقوں کی طرف سے احتجاج کیا ہے۔ احمدیوں کی مساجد سے کلمے کی عبارتیں پہلے ہی نوچ دی گئی تھیں۔ اب اُن کے سینوں سے بھی کلمہ کے الفاظ ہٹانے کے لئے پولیس حرکت میں آگئی ہے۔

اس عبارت کو ذرا پھر پڑھیئے بعض لوگوں کو کلمہ کے الفاظ اپنے سینے پر لگا دینے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ ذرا فرض کریں کہ آپ یہ اطلاع برازیل میں بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں تو پھر آپ کا تاثر کیا ہوگا؟

یعنی آپ کیا سوچیں گے کہ یہ خبر کس ملک سے آسکتی ہے۔ لازماً آپ کا ذہن فوری طور پر روس یا مشرقی یورپ کے اشتراکی ملکوں اور یا اسرائیل کی طرف جائے گا۔ جہاں کچھ پرجوش اشتراکی یا انتقامی جذبہ رکھنے والے یہودی یہ حرکت کر سکتے ہیں ورنہ اور کسی ملک سے تو آپ یہ توقع کرنے سے رہے کہ کلمے کے ساتھ یہ سلوک ممکن ہو سکے گا۔ لیکن قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ کہ کلمے سے محبت میرے اور آپ کے ملک میں بھی قابلِ اعتراض قرار دی جا سکتی ہے۔ یہ تو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ ایسا ممکن نہ ہوگا لیکن ایسا ہو رہا ہے۔ تاریخ کبھی ٹیڑھے راستے سے بھی سفر کیا کرتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا کلمہ کو اپنے سینے پر یا اپنی عبادت گاہ پر چسپاں کرنا گناہ ہے! آپ یہ جواب نہ دیں کہ احمدی کافر ہیں۔ اس لئے انھیں اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ کلمے کا اس طرح استعمال کریں۔ اس لئے کہ آپ کے اس جواب پر پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کسی کافر کا کلمے کو اپنی عبادت گاہ یا سینے پر چسپاں کرنا قابلِ گرفت اقدام ہے یعنی کیا اسلام کی پوری تاریخ میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی غیر مسلم کو کلمے سے محبت کرنے سے منع کیا گیا ہو۔ کوئی معمول سے زیادہ بے وقوف شخص بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ احمدی نوجوان کلمے سے محبت اور عقیدت کے اظہار کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں اور صورتِ حال جب یہ ہے تو کتنی عجیب اور حیرت انگیز بات پیدا ہوئی کہ پاکستان کے

مسلم معاشرے میں کلمے سے محبت کا اظہار جرم قرار دیا گیا ناطقہ سر گریباں کہ اسے کیا کہیئے۔

یہ رد عمل تو ملاحظہ ہو کہ ایک طرف تو ہمارے معاشرے کی ایک جماعت نے اپنی سرگرمیوں کا ماحصل ہی یہ قرار دے رکھا ہے کہ لوگوں کو کلمہ سکھا دے اور دوسری طرف اُن نوجوانوں کی گرفتاریاں جاری ہیں جو کلمے سے غیر معمولی عقیدت اور محبت کے اظہار کے لیئے اُسے سینوں پر چسپاں کر لیتے ہیں۔ پھر یہاں ایک اور سوال بھی ہماری مذہبی سوچ کو حرکت میں لاتا ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان ہونے پر مصر ہو اور کلمے سے عقیدت اور محبت کے اظہار پر جیل تک جانے پر آمادہ ہوا سے غیر مسلم قرار دینے کا کیا جواز پیدا ہو گا؟ تاریخِ اسلام کے قرون اول میں کسی اُس شخص کو جو صرف کلمہ گو ہی نہ ہو بلکہ کلمے سے شدید عقیدت کا اظہار بھی کر رہا ہو۔ اور اس کے لیئے قربانی تک دینے کو تیار ہو یا ہو رہا ہو کسی نے غیر مسلم قرار دیا ہے۔ ہاں اُسے منافق ضرور کہا جا سکتا ہے لیکن کیا کسی منافق کو اکابر اسلام نے کلمہ پڑھنے سے روکا ہے؟ ان سوالات کا جواب کوئی اثبات میں نہیں دے سکتا اور صورت جب یہ ہو تو کلمے سے عقیدت کے اظہار پر کسی کو مستوجب دار قرار دینا اسلام کی وہ تعبیر ہو گی، جو اسلام کے مزاج اور تاریخ اسلام کے متعین اور واضح رجحان سے کبھی کوئی لگا نہیں کھا سکے گی۔ یہ تو فی الوقع ایک ایسی موشگافی ہو گی۔ جسے صرف گستاخانہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

چلیئے مان لیجیئے کہ احمدی غیر مسلم اقلیت ہیں۔ لیکن اقلیت بن جانے کے بعد اسلامی رو سے سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے وہ کچھ ایسے حقوق کے مستحق تو یقیناً ہو جاتے ہیں جن سے کوئی حکومت انھیں محروم نہیں کر سکتی خاص طور پر عقیدے کے معاملے میں اُن پر جبر کوئی نہیں کر سکتا۔ انھیں کلمے سے عقیدت ہے اس عقیدت کے اظہار سے کوئی انھیں کیسے محروم کر سکے گا۔ کلمے سے تو مسلمان بھی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں لہٰذا کوئی یہ کیسے کہہ دے کہ اس اظہار عقیدت سے کسی کے جذبات مجروح ہو رہے ہیں تو پھر۔ تو پھر برادران عزیز کلمے سے اظہار کی یہ تحریک کس قانون۔ کس قاعدے سے لائق سزا پائے گی۔ کہیئے اس عجوبہ کاری کا کسی نہج بھی کوئی جواز مہیا ہوتا ہے؟

احمدی غیر مسلم ہیں ! آپ نے یہ بات تحریک پاکستان کے وقت کہہ دی تھی یا نہیں؟ آپ کہیں گے کہ بات اُسی وقت کُھل کے کہی جا چکی تھی اور آپ کا یہ جواب صحیح بھی ہوگا۔ لیکن : اور یہ لیکن بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ آپ جنھوں نے یہ بات کہہ دی تھی۔ تحریکِ پاکستان میں شامل نہیں تھے۔ خود تحریک پاکستان اور اُس کے نظریاتی محافظ یعنی قائدِ اعظم محمد علی جناح نے آپ کے اس موقف کو واضح طور پر مسترد کر دیا تھا۔ قائدِ اعظم نے پاکستان کی تحریک کے لئے کلمہ گویوں کو دعوت دی تھی اور انھوں نے احمدیوں کو کافر قرار دینے کے مطالبے کو سختی کے ساتھ مسترد کر دیا تھا۔ پھر بات اس نقطے پہ آکر نہیں رُکتی۔ پاکستان کے بانی نے نوطے شدہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے بالکل مساوی حقوق دینے کا ڈنکے کی چوٹ پر اعلان بھی کیا تھا۔ یہ بات تو البتہ منطقی تسلسل رکھتی ہے کہ جو لوگ قائدِ اعظم اور تحریکِ پاکستان کے مخالف تھے وہ پاکستان کے باشندے ہونے کے باوجود۔۔۔ قائدِ اعظم کے نظریوں اور تحریک پاکستان کی نفی کرتے ہیں بلاشبہ ایک آزاد ملک کا شہری ہونے کے ناطے یہ ان کا حق ہے اور ان سطور کا لکھنے والا اُن کے حق کو تسلیم کرتا ہے بلکہ والٹیر کی طرح جس نے روسو کو لکھا تھا کہ جناب والا میرے نظریئے آپ کے نظریوں سے ٹکراتے ہیں لیکن میں آپ کے اس حق کے لئے کہ آپ مجھ سے اختلاف کرتے ہیں۔۔۔۔۔

برابر آپ کی طرف سے لڑتا رہوں گا۔ میں ان حضرات کا حق بھی مانتا ہوں جو پہلے بھی قائدِ اعظم کے مخالف تھے اور آج بھی اُن کے نظریوں کی مخالفت کرتے ہیں لیکن انھیں بھی اُن احمدیوں کا حق ماننا چاہیئے جو تحریکِ پاکستان میں قائدِ اعظم کے ساتھ تھے اور آج بھی قائدِ اعظم کے اصولوں کو جمہوریت اور اخلاقی اقدار کے عین مطابق سمجھ کر اُن پر عمل کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

بانیٔ پاکستان ۔ ایک غیر فرقہ وارانہ ریاست بنانے کا بار بار اعلان کرتے رہے انھوں نے قیامِ پاکستان کے بعد علی الاعلان کہا تھا کہ دین انفرادی مسئلہ اور ریاست کا چلانا اجتماعی ذمہ داری ہے اس لئے اسٹیٹ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی ایک عقیدے کو کسی دوسرے فرقہ پر حکومتی طاقت کے ذریعے۔۔۔ تھوپ دے۔ دین، عظمت

حسنہ سے پھیلتا ہے اور حکومت اپنا آخری جواز طاقت سے حاصل کرتی ہے اس لئے دین کو طاقت کے ذریعے پھیلانے کا تصور جوہری طور پر دین کے تبلیغی طور پر پھیلنے کے اساسی تصور کی ضد ہے دین کو طاقت تخویف مختلف گروہوں اور اقلیتوں کے حقوق چھیننے کی دھمکی کے ذریعے پھیلانے کی سعی۔ دین کے پاکیزہ تصور کی توہین ہے اور اُن مقدس ہستیوں کی جناب میں گستاخی جنھوں نے بے پناہ جسمانی مشقتیں اٹھا کر تہذیب اور شرافت کی قدروں کو بربریت نواز معاشروں میں پھیلایا تھا۔

اور اسلام۔ اسلام کے ساتھ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اُس کو طاقت کی ترازو میں تولا جائے۔ اسلام یا اُس کی کسی خاص تشریح کی قوت تخویف یا کسی اقلیت کے بنیادی حقوق چھیننے کے قوانین بنا کر کم تعداد لوگوں کو اس تشریح کے ماننے پر مجبور کرنا اسلام کی توہین ہے۔

احمدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اور کیا جا رہا ہے ہمیں ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیئے کہ وہ اسلام کے بنیادی تصور شرافت و اخلاق کے اساسی نظریوں قائد اعظم اور تحریک پاکستان کے جوہری تصورات اور وعدوں کی کھلی نفی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جب تک یہ طرز عمل جاری رہے گا ہم اسلام کے آفاقی نظریوں مہذب دنیا کے اخلاقی تصورات اور اپنے ضمیر کے سامنے شرمندہ رہیں گے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم اُن غیر منصفانہ قوانین کو ختم کر دیں۔ جو احمدی اقلیت کے خلاف بنائے گئے ہیں۔ اور جو دین کی پاکیزہ تصور کی ضد اور خاتم النبیین رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن اور سنت کو سبوتاژ کر دینے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہم نے ایک ایسے پاکستان کے لئے جدوجہد کی تھی۔ ایک ایسے معاشرے کے قیام کے لئے قربانیاں دی تھیں۔ جہاں ہر شہری کو ہر دوسرے شہری کے برابر کے حقوق و مراعات حاصل ہوں گی اور ذات، عقیدہ، نسل اور صنف کے امتیاز کے بغیر یکساں درجے کا شہری خیال کیا جائے گا۔ یہی اسلام کا منشور بھی ہے اور یہی اصول اقوام متحدہ کے منشور میں بھی اپنایا گیا ہے اور ہم نے ان دونوں منشوروں پر بطور قوم دستخط کئے ہیں لیکن اب اس شومئ قسمت کو کیا کہیئے کہ آج ہم ان دونوں منشوروں کو باقاعدہ قوانین بنا کر

توڑنے کی جرأت کر رہے ہیں اور وہ سارے وعدے سارے اعلانات بھلا بیٹھے ہیں جو پاکستان کے بانی نے ایک بار نہیں بار بار کیے تھے اور جو اُن لوگوں کے لیے تو لازماً قابلِ تقلید ہونے چاہییں۔ جو قائدِ اعظم سے محبت اور ان کے اصولوں پر چلنے کی قسمیں کھایا کرتے ہیں یاد رکھیے تاریخ نے سنگین گناہوں کو معاف کرنے کی عادت ابھی تک نہیں ڈالی۔ مظالم یعنی کائنات کے در و بست کو بگاڑنے کی غلطی اپنا خطرناک ردِعمل ضرور پیدا کرتی ہے لہٰذا اعلیٰ قدروں کے احترام میں نہ سہی محض پریگمیٹک تقاضوں کے خیال ہی سے سہی اُن حقوق شکنیوں اور زیادتیوں کو بند ہو جانا چاہیئے۔ جن کا نشانہ احمدی اقلیت بنی ہوئی ہے ور اُن قوانین کو ختم ہو جانا چاہیئے جو اُن کے حقوق چھیننے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ورنہ۔۔ ورنہ ان معصوم بچوں کی آہوں کی تیز حرارت سے کوئی محفوظ نہ رہ سکے گا۔ جن کی نگھبانوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا ہے اور وہ بے گناہ نانِ شبینہ کو محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔

افسوس۔ ہمارے آئیڈیل کو اس شرمناک انداز میں ذبح کر دیا جائے گا۔ یہ تو کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

الغرض چند سوالات جو مجھے اپنے وطن والوں سے پوچھنا تھے۔ مثلاً

(۱) کلمہ طیبہ کے اسٹیکر جو لاکھوں کی تعداد میں جوانوں نے بنوائے تھے۔ اور جذبۂ جوش و عقیدت سے سواریوں پر چسپاں کر دیئے تھے۔ وہی اسٹیکر جب لوہے کی چادر پر آویزاں کیے گئے تو ان کی پیشانی کا تاج بن گئے۔ لیکن وہی اسٹیکر جب ایک جوان کے سینہ پر چسپاں ہوا۔ تو سینہ چھلنی کرنے کا جواز ہو گیا۔ اور اسٹیکر سینہ نہ مزین کر سکا۔ بلکہ قدموں میں روندھ دیا گیا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اسٹیکر ایک ہی ہاتھ سے آویزاں کیا ہوا۔ ایک ہی کلام کا مجموعہ لئے ہوئے اور ایک ہی عقیدت و انقلاب کی صدا دیتے ہوئے ایک ہی قوم سے دو مختلف ٹریٹمنٹ کا حق دار کیوں کر ہوا ؟؟

(۲) آج کا مسلمان دو مختلف اقدار سے کیوں ٹکراتا ہے ؟

(۳) کلمہ کا معمولی اسٹیکر اختلافِ نظریہ کا سبب کیوں بن جاتا ہے ؟

(۴) کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ علم و سوچ کے فقدان کا نتیجہ ہو ؟؟

میرے مندرجہ بالا سوالوں کا جواب کسی حد تک سید محمد تقی صاحب کی تحریر میں نظر آتا ہے۔ ضبطِ تحریر سے جو نقشہ وہ پیش کرتے ہیں اُسے پڑھنے کے بعد قارئین یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ میرے وطن کے لوگ باضمیر ہیں۔ اور ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرتے ہیں کہ "قائدِ اعظمؒ نے پاکستان میں سیکولرازم کو رائج کرنے کے لئے پارلیمنٹ میں پالیسی بیان دیا تھا کہ یہاں سیاسی معنوں میں نہ تو ہندو۔ ہندو رہے اور نہ کوئی مسلمان مسلمان رہے گا۔ ریاست کو کسی شہری کے مذہب میں مداخلت کا اختیار نہ ہوگا مذہب ایک نجی معاملہ ہے۔ ریاست کو اس میں دخل اندازی کا حق نہیں [1]

لیکن

پھولوں کی ڈالیوں پر کانٹوں کا راج ہے
خلقِ خدا پہ حاکم وحشی سماج دیکھا [2]

---

[1] ۔ روزنامہ انقلاب کراچی ۱۲ مارچ ۱۹۸۵ء

[2] ۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۸۶ء ہفت روزہ لاہور۔ جلد ۳۵ شمارہ نمبر ۵۱ صفحہ ۱۱

باب ہفتم

اپریل ۱۹۸۴ء ہجرت

ہجرت انبیاء علیہ السلام اور ان کی جماعتوں کا مقدر ہوتی ہے۔ ان کی قومیں ہجرت کے مصائب برداشت کرتی ہیں اور اس طرح انعامات و افضال کی وارث ہوتی ہیں۔ اپریل ۱۹۸۴ء میں ہجرت نشاۃ ثانیہ کے مقدر میں آئی۔ مذہب۔ آزادی اور انسانی بنیادی حقوق جس جس طرح پامال ہوئے وہ تو آرڈیننس مجریہ ۲۶-۴-۱۹۸۴ء سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ لیکن اپنے خون سے شجرِ احمدیت کی آبیاری کرنے والوں کی تعداد ایک نہیں دو نہیں بلکہ دہائیوں تک جا پہنچی ہے۔ ادھر مفتیانِ عظام اور جبہ دار لوگ بیک جنبش قلم مومنین کو کافر و مرتد قرار دے کر واجب القتل کے فتوے دیتے ہیں۔ ان شعلہ بیان مقررین کی ہدایات پر جو قتل ہوئے ان کی تفصیل میں جانے سے پہلے جو خدا کے گھر مسمار اور راکھ ہوئے اُن کی خوش نصیبی کی فہرست پر نظر ڈالتے ہیں۔

مسجد خدا کا گھر ہے اور تقریباً ہر مذہب و ملت میں سجدہ گاہ کو مسجد ہی پکاریں گے۔ لیکن آج نگرانِ مسجد خود ہی مسجد کو مسمار کرتا ہے۔ اور کلمہ کو دشمنی کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔ اور طرہ یہ کہ وہ اس بات پر نازاں ہے کہ وہ خدمتِ اسلام کر رہا ہے۔
مثلاً:- محراب پور میں چوہدری عبدالحمید صاحب کی شہادت کے بعد دو مساجد واقع جھنگ شہر اور باگر سرگانہ ضلع ملتان کو بھی آگ لگا دی گئی۔ ۲۰ اپریل ۱۹۸۴ء کو ایک ہی رات میں خدا کے دو گھر آگ کی نذر کر دیئے گئے۔ کسی عظیم خدمت ہے؟
"نظامتِ اُمورِ عامہ کے مطابق ۱۹ اور ۲۰ اپریل کی درمیانی رات ڈیڑھ

بیت الصلوٰۃ مردان کا انہدام ......

اور سانحہ اوجڑی۔

بجے محلہ یابووالا جھنگ شہر کی ایک مسجد کو جو شہر سے باہر تریموں ہیڈ کی طرف جانے والی سڑک پر واقع ہے بعض شرپسندوں نے آگ لگا دی۔ اور اسی طرح بعد نماز جمعہ مقامی مسجد کے امام کے اکسانے پر بعض شرپسندوں نے مسجد احمدیہ باگڑ سرگانہ ضلع ملتان پر حملہ کیا اور مسجد کو ٹریکٹر کے ذریعے مسمار کرنے کے بعد ملبہ اور دیگر سامان جس میں قرآن مجید کے نسخے بھی شامل تھے پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون[1]

اس کے بعد احمدیہ عبادت گاہ مردان کی مسمار شدہ عمارت کی کہانی ہفتہ وار لاہور کی اپنی زبان میں پڑھیے۔

: احمدیہ عبادت گاہ مردان کے انہدام کی کہانی

احمدیوں کو حراست میں لے کر شرپسندوں کو مسمار کرنے کی کھلی چھٹی دیدی گئی

مردان (سرحد) ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء۔ مردان میں عید کے دن احمدیوں کی عبادت گاہ کے مسمار کیے یا کرائے جانے سے متعلق اتنی سی خبر تو قارئین "لاہور" نے اخبارات میں پڑھ لی ہوگی، کہ عبادت گاہ کو اس لئے مسمار کیا گیا کہ یونس نامی مولوی کے مطابق احمدیوں نے نہ صرف نماز عید سے پہلے باقاعدہ اذان دی بلکہ مبینہ طور پر مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز زبان بھی استعمال کی لیکن حقائق اس سے قطعی مختلف ہیں۔ اس خبر میں ایک فیصد بھی صداقت نہیں کیونکہ مولوی تو کجا یہ بات تو ایک عام ان پڑھ مسلمان بھی جانتا ہے کہ نماز عید کے لئے اذان دی ہی نہیں جاتی اسی لئے شرفاء شہر کی متفقہ رائے ہے کہ

اگر پولیس کی مصلحت پسندی اور چشم پوشی کا اس کارروائی میں براہ راست دخل نہ ہوتا تو یہ ہی ایک شرعی نکتہ یونس مولوی کی جھوٹی رپورٹ کے رد کر دینے کے لئے کافی تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ مردان میں تمام فرقوں نے عید ۱۶ اگست کو پڑھی اور منائی سوائے احمدیوں کے جنہوں نے "رویت ہلال کمیٹی" کے فیصلے کو ترجیح دیتے ہوئے ۱۷ اگست کو نماز

---

[1] روزنامہ امروز ملتان ۲۳ اپریل ۱۹۸۴ء

لگا دیا جائے گا اور پولیس صبح و شام (ہر وقت) اس کی حفاظت کرے گی۔

"حفاظتی حراست" میں لے لئے گئے دو احمدی فوجی کرنیلوں نے اپنے کمانڈنگ افسر سے بات کرنا چاہی جو بصد ناخیر منظور ہوئی۔ پھر کمانڈنگ افسر آئے انھوں نے (ایک خبر کے مطابق) جی ایچ کیو سے رابطہ بھی کیا اور بالآخر اپنے دونوں کرنیلوں کو ساتھ لے کر چلے گئے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ چار پانچ گھنٹوں کے اس سارے عرصہ میں جس بڑے افسر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی اس کے بارے میں یہی جواب ملتا رہا:

ــ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں ـ سرکاری ڈیوٹی پر شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں

ــ سو رہے ہیں اور ان کا حکم ہے کہ انھیں جگایا نہ جائے۔

یہی وہ چار پانچ گھنٹوں کا وقفہ تھا جس میں ایمائے خاص پر یونس مولوی کے کدال بردار ساتھی اس کی ہدایات کے تحت عبادت گاہ کو تہس نہس کرتے رہے اور محافظین قانون کھڑے تماشا دیکھتے رہے حتیٰ کہ تمام عمارت پیوندِ زمین ہو گئی۔

مردان کا ہر شہری جانتا ہے کہ یہ ساری کارروائی کسی فوری اشتعال کا نتیجہ نہ تھی بلکہ یہ منصوبہ بندی کئی دنوں سے شروع تھی۔ یونس مولوی اور اس کے ساتھی تو کئی دنوں سے احمدیوں کو دھمکیاں دے رہے تھے کہ وہ اپنی عبادت گاہ میں نماز ادا کرنا ترک کر دیں بلکہ بکٹ گنج ایریا کے بعض دکانداروں کی دکانوں پر انھوں نے اس دھمکی پر مبنی کارڈ اور پوسٹر بھی آویزاں کرا رکھے تھے۔ ان تمام باتوں کی اطلاع ساتھ کے ساتھ پولیس کو دی جاتی رہی لیکن اس نے شرپسندوں کے خلاف پیش بندی کے طور پر کوئی کارروائی کرنی مناسب نہ سمجھی۔ اور یہ بتانے اور واضح کر دینے کے باوجود کہ نمازِ عید کے لئے ہرگز اذان نہیں دی گئی نہ عید کی نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے۔ پولیس نے مشتاق احمد جاوید احمد پسران نذیر احمد اور آدم خاں ولد اجون رستم خیل مردان اور ریٹائرڈ میجر اکبر خاں ساکن ڈیفنس کالونی مردان کو تعزیراتِ پاکستان کی دفعات ۲۹۸ سی اور ۲۹۵۔ اے کے تحت گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا۔ اور باقی احمدیوں کو اپنے

اپنے گھروں کو جانے کی اجازت دے دی۔ حیرت کی بات، یہ ہے کہ یونس مولوی اور اُس کے شرپسند و سماج دشمن ساتھی پورے چار پانچ گھنٹے بڑی آزادی سے عبادت گاہ کو مسمار کرتے رہے لیکن اس سارے عرصے میں مقامی انتظامیہ کے کسی ذمہ دار کے کانوں پر جُوں تک نہیں رینگی۔ ان میں سے کسی نے خدا کا گھر ڈھانے والے ان تخریب کاروں کو روکنے یا ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ مخالفین قانون کھڑے خاموشی سے اس انہدام کا نظارہ کرتے رہے۔ جس پر شرفائے شہر میں کافی ہراس اور تشویش پھیلی ہوئی ہے کہ جب خدا کا گھر بھی محفوظ نہیں تو اب پولیس جب چاہے چند تخریب کار خرید کر کسی بھی شہرت و عزت و ناموس اور املاک کے خلاف کچھ بھی کروا سکتی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ اُسے مسمار منہدم کرنے کے الزام میں یونس مولوی اور اُس کے متعدد ساتھیوں کے خلاف "تھانہ لے ڈویژن" میں رپورٹ درج کرائی ہے جس پر پولیس کی طرف سے تاحال کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ نیز امیر جماعت احمدیہ مردان نے وزیر اعلیٰ سرحد ارباب جہانگیر خاں کے نام ایک تار بھی دیا ہے۔ جس میں مقامی انتظامیہ پر ملی بھگت اور جانبداری کا الزام لگاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جماعتِ احمدیہ کی ۶۵ سالہ قدیمی عبادت گاہ کی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کو (جس کی مالیت کم از کم ۵ لاکھ روپے ہے) مسمار و برباد کر دیا گیا ہے۔

میری ذاتی معلومات کے مطابق (اپنی تار کے جواب میں) امیر جماعت مذکور کو وزیر اعلیٰ سرحد کی طرف سے ابھی تک کوئی "حرف تسلی" موصول نہیں ہوا۔

منافرت کا لاوا

یہ منافرت کا لاوہ کہیں ایک دو جگہ گرا ہو۔ تو ذکر بھی کروں۔ کہاں تک یہ قصے دہرائے جائیں۔ مختصر ہی کہہ ڈالوں تو بہتر ہے۔ چنانچہ احمدیوں کے سماجی اور اقتصادی بائیکاٹ پر اکتفا نہ ہو سکا مسجدوں کو مسمار کر کے راکھ میں تبدیل

کرنے کے بعد بھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو جیلوں میں جانیں منتقل کر دیں۔ حد تو یہ ہے کہ احمدیوں سے جانوں کا چندہ وصول کر کے بھی قرار نہ آیا! اور مذہبی تعصب و منافرت نے حواس تک چھین لیے۔ تو ملاؤں نے سکھر کے مندر کا رُخ کیا۔ اور رحیم یار خاں کے گرجا گھر پر جا کر طبع آزمائی کی اور یہ تک بھول گئے کہ ان کے کاسہ میں تو ڈالر کی چھنک باہر تک سنائی دیتی ہے۔" پہلے تو کچھ جنونی مسلمان سڑک چھاپ ملاؤں کی باتوں میں آکر مسلم فرقوں کی عبادت گاہوں کو ہی نقصان پہنچا رہے تھے، اب مذہبی تعصب اتنا بڑھ گیا ہے کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں پر بھی حملے ہونے لگے عیسائیوں کا گرجا گھر محفوظ نہیں رہا۔ اسلام اسلام کے نعرے لگانے والے خطرے کی گھنٹیوں کو سنیں اور سمجھیں کہ مذہبی جنون کو ہوا دینے سے فائدے پہنچ رہے ہیں یا نقصان؟ [1]

---

[1] روزنامہ [illegible]ن ۴ مارچ ۱۹۸۶ء

باب ہشتم

شہادت

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ
(سورہ رحمٰن آیت ۲۶)

کب دشمنِ اسلام کے حصے میں آئی
ناموسِ محمدؐ کی حفاظت کی سعادت
بدبخت کی تقدیر ہے رسوائی سے مرنا
خوش بخت کی قسمت میں ہے "انعامِ شہادت"

(شاعرِ لاہور)

شہادت کی تفصیل و ترتیب درج کرنے سے پہلے میں یہ عرض کروں گی کہ واللہ اسلام کو کمزور نہ دیکھا جائے۔ یہ خدا اور اس کے رسول کا دین ہے۔ اور احمدی اس دینِ متین کے بدلے اپنا سر دینا کوئی بڑی بات خیال نہیں کرتا۔ اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے کیسا فرمان دیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ بہت سی جانوں کا چندہ ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد چندہ ہی میں تو آئے تھے [1]

اور آج پندرھویں صدی ہجری کے آغاز میں کلمہ طیبہ کی مہم میں جانوں کا چندہ جو احمدی نے پیش کیا ہے۔ اس کی فہرست درج ذیل کرتی ہوں تاکہ آئندہ نسلیں اپنے آباؤ اجداد کے چندہ سے اسلام کی عظیم عمارت کو بلند تر کر دیں۔

---

[1] ملفوظات جلد نمبر دوئم صفحہ ۱۶۲

آج گیارہ مئی ۱۹۸۶ء ہے رمضان المبارک کا پہلا روزہ شروع ہوا ہے۔
روزنامہ امن صدر ضیاء الحق صاحب کا پیغام لے کر آیا ہے کہ "رمضان المبارک وہ
مبارک مہینہ ہے جسے رب العزت کا اپنا مہینہ ہونے کا شرف حاصل ہے.....
خدا نے اس کے تحفظ کی خود ضمانت دی ہے لیکن اگر اسی اخبار کا صفحہ ۶ کالم ۶ پڑھیں
تو قارئین کرام! آپ حیران ہو جائیں گے کہ آج ہی ۸۶ احمدیوں کو کوئٹہ میں
گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اور ان کی عبادت گاہ بیت الحمد کو سر بمہر کر دیا گیا ہے"۔
عبادت گاہ پر حملہ اور زبردستی قبضہ، پھر نمازیوں کی حراست اور کلمہ طیبہ کا
گندے کیچڑ سے لت پت کر کے مٹا دینا ایسی خبریں ہیں جو صدر صاحب کے پیغام
کا منہ چڑاتی ہیں۔ خیر رمضان المبارک تو گھروں میں داخل ہو ہی گیا ہے۔ لیکن
دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے ؎

"کچھ خدا کا خوف بھی ہو قلبِ روزہ دار میں"

یہاں خدا کے خوف کا فقدان ایسا ہے کہ دن کی روشنی تاریک ہو گئی ہے اور
دیکھیں۔!!

جناب قمر الحق صاحب اور جناب خالد سلیمان صاحب

آج سکھر کے سیاہ دل قاتلوں نے دو احمدی روزہ داروں کو پہلے ہی روزے وجہ
بے موقع اور بغیر کسی اشتعال کے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ یکم رمضان صبح آٹھ
بجے دو احمدی افراد جناب قمر الحق صاحب اور جناب خالد سلیمان صاحب جب
اپنے اپنے کام کے لئے نکلے تو سکھر کے چند حملہ آوروں نے جو کسی مسجد سے یہ پیغام سن کر
آئے تھے کہ ہر قاتل کو روزِ محشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام نصیب ہوگا۔ کلہاڑیوں
اور تیز دھار ہتھیاروں سے شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
معصوم۔ بے خبر اور نہتے روزہ داروں پر وار کیا اور دار کے نتیجہ میں وہ تو
شہید ہو گئے۔ لیکن شعلہ بیان مقررین نے ظلم کی انتہا۔ رمضان المبارک کے ابتدا

نزدیک یہ ایک عام سی خبر ہے یوں بھی بہت سے لوگ اس قدر سنگ دل اور بے حس ہو چکے ہیں کہ یہ سن کر ان کی صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا کہ کسی فرد یا اقلیت کی مذہبی آزادی کو سلب کیا جا رہا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر ساری قوم ہی آج کل اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کسی نے ہم پر زیادتی کی ہے تو قرآنِ پاک میں سورۃ المائدہ کی دوسری آیت کی زبان میں "ہمارا غصہ ہمیں اتنا ہی مشتعل کر دے کہ ہم غیر عادلانہ رویّہ اختیار کرنے لگیں" پاکستان کے ایک شہری کے طور پر میں سچے دل سے محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت پاکستان میں جماعتِ احمدیہ کے ساتھ ہمارا رویّہ اسی غیر عادلانہ رویّے کے زمرے میں آتا ہے اگر بات یہیں تک محدود رہتی تو شاید سیاستدانوں کی روایتی بزدلی کا شکار ہو کر میں بھی زبان نہ کھولتا اور ایک مختصر سی اقلیت کی خاطر اکثریت کی تند و تیز مذہبی ترجمانی کی مخالفت مول لینے کی جسارت نہ کرتا۔ لیکن بات جماعتِ احمدیہ کی مخالفت سے آگے بڑھ کر براہ راست خداوندِ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبولؐ کے کلمے کی مخالفت تک جا پہنچی ہے وہ علما اور مذہبی جماعتوں کی وہ قیادتیں جو یہ بتاتے نہیں تھکتیں کہ پاکستان کا مطلب کیا، لا الٰہ الا اللہ آج ان کا کام یہ ٹھہرا ہے کہ وہ اس کلمے کو پھیلانے کے بجائے مٹانے پر تل گئی ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک مصرع پورے برصغیر میں زبان زدِ عام ہے قربان کنکروں کو کلمہ پڑھانے والے۔ ہمارے علما اس بات پر تو عش عش کر سکتے ہیں کہ کنکر بھی کلمہ پڑھ لیں لیکن انھیں یہ برداشت نہیں کہ کچھ انسان کلمہ پڑھ لیں کیا محض اس لیے کہ یہ انسان مذہب کے بارے میں جداگانہ رائے رکھتے ہیں۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ سندھ کے ایک دور دراز کے گاؤں میں ایک ہندو بچے کی آنکھ میں مسجد نبوی کا ہیولہ نظر آجائے تو اس کی تو زیارتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی جان، مال، عزت آبرو خطرے میں ڈال دی جاتی ہے جو شعوری طور پر کلمہ پڑھتے ہیں۔ میں نے اپنے زندگی کے پچاس سالوں میں بارہا مسلمان علماء کو اس امر پر فخر کرتے دیکھا ہے کہ کسی عیسائی یا یہودی مصنف نے اپنی کتاب میں اسلام یا پیغمبرِ اسلام کے بارے میں کوئی

میں ہی کر دی۔ یاد رہے کہ صدارتی آرڈیننس کے بعد سکھر کے چھوٹے سے شہر میں یہ چھٹا قتل ہے۔ اسے پاکستان کے رہنے والو!! انسانیت اور اسلام کی نسبت سے دیکھو تو سہی کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک گلی چھاپ ملاں عوام کا دماغ اتنا زہر آلود کر دے کہ وہ روزہ دار کو (جسے گالی تک دینا حرام ہے) ہمیشہ کی نیند سلا دے۔ افسوس!!

ملاں نے بے خوفیٔ خدا کی وجہ سے برکت کی یہ گھڑی بھی نحوست میں بدل دی اور صدر صاحب کے چہیتے اماموں نے بارہ گھنٹوں کے اندر اندر ان کے پیغام کی دھجیاں اڑا دیں۔ لیجئے اور سنیں ایک روزہ دار میزبان اس لئے گرفتار کیا گیا ہے کہ اس نے روزہ افطار پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔ یہ ہے رمضان کا احترام جو آج پاکستان کی سرزمین میں مسلمان حکام کے ہاتھوں سرانجام پا رہا ہے۔ یہ مذہبی جوش و خروش مسلمان حکام کا ہے کہ وہ اس اعتکاف میں بیٹھنے والے ایک روزہ دار کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ جو خالصتاً اس حال میں داخل ہو جاتا ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان فاصلہ کم رہ جاتا ہے۔ مگر حکام پاکستان کو یہ کیسے منظور ہو کہ کوئی خدا کا بندہ بندگی کے تمام مراحل طے کر کے صرف اور صرف خدا کا ہو جائے وہ تو اسی میں عافیت خیال کرتے ہیں کہ اسلام کا دائرہ تنگ تر ہو جائے۔ اس تاریک دور میں ملاں کی چھاپ حکومت پر کتنی گہری ہے کہ ایک شخص کو صرف اس لئے گرفتار کیا کہ اس نے وہ آیت قرآن مجید کی کیش میمو پر لکھی تھی۔ جو قرآن مجید کی ہر سورۃ کی ہیڈ لائن ہے سورہ توبہ کے سوا ہر سورت کے لئے تزئین و برکت کا موجب ہے۔ لیکن جب ایک احمدی نے اپنے کیش میمو پر لکھ دی تو زنجیر اس کے ہاتھوں کو جکڑ بیٹھی۔ ملاحظہ ہو۔

آخر کیوں؟

۔۔۔ کہ "ڈی۔ ایس۔ پی، مردان کے حکم کے تحت زیر دفعہ ۲۹۸ (ج) تعزیرات پاکستان ایک احمدی کو گرفتار کیا گیا۔ "شاد محمد" نامی ایک شخص نے ایک احمدی کی دکان سے چھ عدد

بجلی کے بلب خریدے اور کیش میمو طلب کیا۔ کیش میمو کی پیشانی پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھا ہوا تھا۔ جسے پولیس کے حوالے کر کے مالکان دوکان کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا۔ اور مالکان بھی گرفتار کر لئے گئے"۔ لہ یہ تاریک دور کے نشانات ہیں جو حکام کی پیشانی پر کندہ ہو جائیں گے۔ جبکہ یہ بابرکت رمضان کے مہینہ کی روئیداد ہے۔ جس رمضان کیلئے نبی آخرزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و آشتی رحمت اور برکت کا وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن پاکستان کا رمضان آپ کے سامنے ہے۔

اچھا کلمہ کے بدلے شہادت کا انعام پانے والے شہدار کرام کی فہرست درج کرنے سے پہلے آج کے شعلہ بیان پیش امام سے پوچھتی ہوں کہ اسے اسلام کو بگاڑنے والے علمار سوء !! یہ تو سوچئے کہیں لوگوں کو احمدیوں کے قتل پر اکسا کر تم نے شہادت ارزاں اور عام تو نہیں کر دی ؟ شہادت تو خوش نصیب کو ہی ملتی ہے کئی دفعہ لوگ چارپائی پر ہی ترس ترس کر جان دیتے ہیں۔ اور یہ گھڑی نصیب نہیں ہوتی لیکن آج ۸۶ - ۱۹۸۵ء میں تجھے کیا ہوا ہے کہ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر شہادت کے انعامات تقسیم کر رہا ہے ؟ تجھے خبر ہے کہ شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے تو احمدی کی جان لے کر ان گلیوں میں احمدیت کو زندگی دے رہا ہے ؟؟

یوں تو ارضِ سندھ میں سکھر کے مقام پر جناب مقبول احمدؐ صاحب شہید اور لاڑکانہ میں احمدیہ جماعت کے امیر اور استاد المکرم جناب عبدالحکیم صاحب شہید پہلے ہی احمدیت کے لئے قربانی پیش کر چکے ہیں۔ اور دونوں کی شہادت کے درمیان وقفہ تقریباً ۲ ماہ کا تھا۔ لیکن چونکہ یہ وہ جان باز ہیں جنھوں نے صدارتی آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۴ء اپریل سے پہلے اپنی جانیں چندہ میں پیش کی تھیں۔ اس لئے ان شہدار کرام کے لئے صرف السّابقُونَ الاوّلُون کہہ کر آگے بڑھتے ہیں۔

لہ ہفت روزہ لاہور ۲۶ رجولائی ۱۹۸۶ء

۱۔ چوہدری عبدالحمید صاحب ۔ محراب پور

اپریل ۱۹۸۴ء عین دوپہر کے وقت جبکہ سورج کی روشنی کسی جگہ کو بھی تاریک نہیں رہنے دیتی لیکن ایک ظالم کے دل کی تاریکی کو نہ دور کرسکی اور وہ سربازار خنجر گھونپ کر سینے کے پار کر گیا۔ وہ تو شہید ہو گئے لیکن ظالموں کے لئے تاریکیوں کا دروازہ کھل گیا جو تادم تحریر بند نہیں ہو رہا۔ یہ ظلم کی آندھی مغرب مشرق، شمالاً جنوباً بگولے کی شکل میں پاکستان کا مقدر بن گئی ہے ۔

"اب کے میرے نگر میں بارش ہے پتھروں کی

سڑکیں تمام گلیاں اہل وفا کے خون سے گلنار ہو رہی ہیں۔"

اب کے میرے نگر میں بارش ہے پتھروں کی، کے متعلق مس بے نظیر بھٹو نے ایک بے نظیر نظریہ بیان کیا ہے کہ

"پاکستان آج کل قتل گاہ ہے۔" بیشک ٹھیک۔

۲ ۔ جناب قریشی عبدالرحمٰن صاحب ۔ سکھر

"اور اس قتل گاہ میں سکھر کے مقام پر دوسرا نمبر جناب قریشی عبدالرحمٰن صاحب کو نصیب ہوا۔ سکھر میں یہ پہلے شہید ہیں اُن کی عمر تقریباً ۸۰ سال تھی۔ ایک خطبہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع قریشی عبدالرحمٰن صاحب کے قتل کا حال بیان فرماتے ہیں۔"

سکھر میں سب سے پہلے بات جو نہایت ہی دردناک پیش آئی وہ امیر جماعت احمدیہ قریشی عبدالرحمٰن صاحب کا قتل تھی۔ اس قتل کے نتیجہ میں خوشیاں منائی گئیں۔ اور جنھوں نے قتل کیا ان کو عظیم الشان مجاہد قرار دیا گیا۔ سکھر کے عوام نے بُرا منایا .... قریشی صاحب مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھ گئے۔ کیونکہ کچھ عرصہ پہلے ہی آرڈیننس

جو نہایت ظالمانہ اور اتنا ہی احمقانہ ہے جاری ہو چکا تھا۔ اور پولیس زبردستی کلمہ طیبہ مسجد سکھر سے مٹا چکی تھی۔ اس کا ان کی طبیعت پر بہت گہرا اثر تھا۔ (چونکہ عمر بھی زیادہ تھی اور برداشت بھی کم تھی۔ تقریباً ۸۰ برس کے لگ بھگ تھے)

چنانچہ احباب جماعت ان کو چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ یہ کافی دیر تک وہاں بیٹھے رہے اور خدا کے حضور مناجات اور گریہ زاری کرتے رہے۔ جب باہر نکلے تو قاتل برچھیاں لے کر انتظار کر رہے تھے۔ ان پر بار بار برچھیوں سے حملے کئے اور ہر بار نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ گویا بہت بڑا اسلام کا کام سر کر رہے ہیں۔" پس یکم مئی ۱۹۸۴ء کو بعد نماز مغرب عبدالرحمٰن صاحب کو ظالموں نے وہ شہادت دلوائی جو صدیقین کا مقدر ہوتی ہے۔

۳۔ جناب انعام الرحمٰن صاحب۔ سکھر

تیسرے نمبر پر اسی شہر سکھر میں ایک رحمان صاحب پھر شہید ہوئے۔ یہ پہلے تھے انسپکٹر انعام الرحمٰن صاحب تھے جو جمعہ کے دن ۱۵۔ مئی ۱۹۸۵ء کو اس وقت شہید کر دیئے گئے جبکہ وہ مارکیٹ میں ضروری سامان لینے جا رہے تھے۔ گھر میں سامان کیا گیا ہو گا شہادت کا پیغام گیا۔ اور یہی عاقبت کا بہترین سامان ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے انعام الرحمٰن صاحب کے خاندان کو نصیب کیا۔" اور اس ایک وجود کے بدلے میں ہزاروں لاکھوں وجودوں کو زندگی ملے گی جو قیامت تک دشمنوں کے لئے جلن اور سخت سوزش کا موجب بنی رہے گی۔ حضور نے فرمایا۔ یہ وہ خوش نصیب ہیں جنہیں خدا نے ابدی زندگی کے لئے چُن لیا ہے۔ جو خود بھی مبارک بنائے جاتے ہیں اور جن کے وجود اپنے ماحول کو بھی مبارک کر دیتے ہیں۔ جن کے خاندانوں پر نسلاً بعد نسلٍ اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں"۔ [1]

سکھر کی حدود سے باہر آئیں تو ذرا نواب شاہ کی اس زمین پر غور کرتے ہیں جہاں محترم عبدالرزاق صاحب نے اپنے خون سے آبیاری کی۔

[1] انصار اللہ مئی ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۰

۴۔ جناب عبدالرزاق صاحب۔ بھریا روڈ۔ ضلع نواب شاہ

آج ۱۷ اپریل ۱۹۸۵ء نواب شاہ کی قیادت پر ظالموں نے قسمت آزمائی کی، اور وہ پیغام لے کر کہ "جو شخص بھی قادیانی کو قتل کرے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام اُسے نصیب ہوگا اور روزِ محشر آپؐ اس کے استقبال کے لیے خود تشریف لائیں گے۔" گویا جنّت کی ضمانت کسی قادیانی کے قتل میں مضمر ہے۔ سبحان اللہ کیا دین ہے۔ ملّاں نے حد کر دی ہے۔ نظریہ کے اختلاف میں جان لینا ہے اور یقین رکھنا ہے کہ یومِ آخرت کو یہ خون بہانا اس کو جنّت کی طرف لے جائے گا۔ جبکہ اسلام صرف اور صرف دفاع میں نفس لینے کی اجازت دیتا ہے۔

اور جناب عبدالرزّاق صاحب تو بے خبر اپنی دھن میں اپنی دوکان پر بیٹھے ٹیلیفون پر مصروف گفتگو تھے کہ کسی شقی القلب نے بہت قریب سے گولی چلا کر ہمیشہ کے لئے آپ کو زندہ کر دیا۔ اور خود جنّت کی وراثت پر نازاں ہو گیا۔ حالانکہ جنّت کے وارث تو عبدالرزّاق صاحب اور اہلِ عبدالرزّاق صاحب ہیں۔

۵۔ ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر شہید۔ حیدر آباد

آج پھر ایک یوسف کو اس کے بھائیوں نے کنوئیں میں پھینک دیا۔ رمضان المبارک کے روشن سُورج تو کیا خبر لایا کہ چاند کو مٹی میں دفن کر دیا گیا صرف اس قصور پر کہ وہ عقیدہ میں عوام الناس سے سوا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو ضرور دُہرائے گی۔ یہ کیوں واپس ساتویں صدی عیسوی کی طرف جا رہی ہے۔ کیا نسبت ہے اس زمانہ کو اس زمانے سے کہ آرے سے بے قصور کلمہ گو چیرے جا رہے ہیں پھر ایک سفاک ہاتھ نے آج وہ چراغ گل کر دیا جو لاکھوں نہیں تو ہزاروں کو روشن کر دیا کرتا تھا۔ ان کی بینائی واپس لا کر انھیں زندگی عطا کرتا تھا۔ لیکن آج اُس کی زندگی لینے والے نے یہ تک نہ سوچا کہ مسیحا تو قومی خزانہ ہوتے ہیں۔ اس کا تو تجربہ بھی سندھ

کی طرح بوڑھا تھا۔ اور جب وہ بوڑھا تجربہ کار ڈاکٹر عقیل بن عبد القادر دروازے پر آکر رکے تو ساتھی نے گیراج کا دروازہ کھولا کہ اتنے میں چھپے ہوئے بھیڑیئے نے پے در پے چھ وار کرکے ایک اور موحد کو جنتی بنا دیا۔ یہ بھی ایک شعلہ بیاں ملاں کی نفرت بھری تقریر کا نتیجہ تھا۔ اسے ظالم جبہ پوش مقرر! کتنے عقیل بن عبد القادر عقیدہ کی بھینٹ چڑھاؤ گے ؟ ؟ یاد رہے یہاں ہر احمدی بچہ۔ بوڑھا۔ اور جوان عقیل بن عبد القادر ہے۔ شہادت تم نے کہیں عام تو نہیں کر دی ؟ ذرا سوچو تو سہی !

۶۔ جناب محمود احمد صاحب ۔ پنو عاقل سکھر

۲۹ جولائی ۱۹۸۵ء سکھر کی دھرتی نے پھر ایک احمدی کو ہمیشہ کی زندگی عطا کر دی۔ اے زمین سکھر! تجھ پر آئندہ نسلیں شرمسار ہوا کریں گی۔ یہ اندوہناک واقعات تیری عظمت کو داغ دار کر دیں گے۔ اور تو اوراق تاریخ کو مٹا بھی نہیں سکے گی۔ کیا ہوا آج پھر پنو عاقل سکھر نے اپنی زمین کو ایک شہید کے خون سے رنگین کر دیا۔ ؟ ؟ جبکہ سکرٹری مال جناب محمود احمد صاحب اپنے بیٹے کے ساتھ سائیکل پر اپنے گھر واپس جا رہے تھے کہ دشمن نے پیچھے سے گولی مار دی۔ بزدل تو وہ تھا جس نے پیچھے سے گولی چلا کر شہادت کا رتبہ دلوایا۔ لیکن قارئین کرام! یہ ذہن نشین ہو کہ سکھر کی جیل جب توڑی گئی تو باقی قیدیوں کے علاوہ چونتیس پھانسی کے سزا یافتہ قیدی بھی بھاگ گئے تھے۔ لیکن دو پھانسی کے سزا یافتہ قیدی ایسے تھے جنھوں نے بھاگنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور وہ دونوں جانباز خادم جناب قریشی عبدالرحمن صاحب کے بیٹے ناصر احمد قریشی اور رفیع احمد قریشی تھے۔ اگر وہ ایک لمحہ کے لئے سوچتے کہ خدا نے یہ نجات کا راستہ کھولا ہے تو وہ بھی باقی مفرور لوگوں کے ساتھ بھاگ جاتے لیکن وہ کوہ وقار شخصیتیں یہ جانتی تھیں کہ زندگی اور موت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ مفرور کی زندگی اس راہ مولا میں قربان ہونے والی زندگی سے کہیں کمتر ہے۔

اس لئے انھوں نے ڈٹے رہنے کا فیصلہ کیا اور وہ ایک گھڑی کا فیصلہ ایمان

کی دولت انھیں عطا کر گیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ پر کامل یقین کی یہی سچی علامت ہے۔
اور خدا تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین کی سچی دولت سے ہر احمدی مالا مال ہے۔
الحمدللہ اور ہر احمدی کی زندگی کی ضمانت اُس کے ایمان میں ہے۔ اور اس کا ایمان
کوئی خرید نہیں سکتا ہے اور نہ خرید سکے گا انشاءاللہ "تم جتنی ٹھوکریں ہمیں لگاؤ گے
خدا کی قسم پہلے سے بڑھ کر زیادہ طاقتور اور صاحب عزم ہوتے چلے جائیں گے"
انشاءاللہ۔

۷۔ جناب قمرالحق صاحب شہید۔ سکھر

یکم رمضان المبارک ۱۱ رمئی ۱۹۸۶ء سکھر کے مقام پر علی الصبح دن کے روشن
ہوتے ہی ایک تاریک ہاتھ نے بحکم ملاں ایک احمدی کو شہید کر دیا۔ آج رمضان
کی برکتیں شروع ہوئیں ہیں اور شیطان زنجیروں میں جکڑے گئے ہیں۔ لیکن یہ ملاں
کھلے شیطان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں آج انھوں نے ایک شفیق استاد جناب
سید قمرالحق صاحب کو اس وقت شہید کر دیا جبکہ وہ بچوں کو علم کی روشنی عطا کرنے
جا رہے تھے۔ وہ اس شہر کے وارثوں کو علم کی دولت منتقل کرنے مدرسہ جا رہے
تھے۔ وہ انہیں اچھے بُرے کی تمیز بتانے جا رہے تھے اور ہدایت و گمراہی
کے راستے نمایاں کرنے جا رہے تھے کہ ایک گمراہ نے پے در پے وار کر کے جناب سید
قمرالحق صاحب کو استاد المکرم کی بجائے شہید المکرم بنا دیا۔ "خیر" کو کون خاموش
کرے گا۔ کون بھلائی و ہدایت کا گلا گھونٹ گا؟؟

"افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصّٰبرین"

اگر رمضان کا پہلا روزہ ہی محترم قمرالحق صاحب کے لئے پیغامِ شہادت
لے آیا ہے تو اس ساعت سعد میں سید قمرالحق صاحب کو نوید ہو کہ آپ اپنی منزل
پا گئے اور وارثین جنت ہوئے۔

۸۔ جناب خالد سلیمان ۔ مقام شہادت سکھر

سرزمین سندھ کا یہ جوان سال شہید ابھی حال میں ہی احمدیت کی برکت سے نوازا گیا تھا۔ اُسے خدا تعالیٰ نے ۱۹۸۳ء میں احمدیت یعنی حقیقی اسلام میں شمولیت کی توفیق عطا فرمائی تھی ۔ وہ پریشان حال تھا کچھ عزیز و اقارب کے خطوط کی وجہ سے جو اُسے نئے عقیدے کو اپنانے پر سرزنش کرتے تھے ۔ اور کچھ مخدوش حالات کی وجہ سے اکثر بے چین ہو جاتا تھا۔ لیکن فیصلہ نہیں کر پاتا تھا۔ کہ کیا کرے اور کون سا قدم اٹھائے۔ بہت بے چینی کے بعد دعاؤں کی ایسی وادی میں داخل ہوئے کہ یہاں ایک مبارک خواب کی بناء پر احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق نصیب ہو گئی لیکن نوجوان سلیمان احمدیت میں شامل ہوتے ہی ابدی زندگی پا گیا۔ اور قابلِ رشک سعادت حاصل کی الحمد للہ۔ یکم رمضان المبارک ہی تھا کہ صبح آٹھ بجے محترم قمر الحق صاحب کے ساتھ خالد سلیمان صاحب جا رہے تھے کہ دشمنوں نے وار کیا اور ایسے اچانک حملے میں محترم خالد سلیمان صاحب حواس باختہ نہ ہوئے بلکہ محترم قمر الحق صاحب کو آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں ہر طرف سے بچایا۔ ہر وار اپنے بازو پر لیا اور چہرے پر کئی زخم کھائے کہ پہچاننا تک مشکل تھا۔ مگر اپنی شناخت خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کر دی ۔ اور دونوں شہدا اسی جگہ اسی گھڑی اور اُسی ساعت میں اپنے حقیقی خدا سے جا ملے ۔ دشمن خوش ہوا کہ خدا اور اس کے رسولؐ کا سلام اُسے پہنچے گا اور اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا ہے۔ لیکن حضور سیدنا خلیفۃ المسیح الرابع بھی ایسے لوگوں کے لیے یہی ایک پیغام دیتے ہیں۔ "جہاں تک دشمنوں کا تعلق ہے ان کے لیے یہی پیغام ہے کہ جتنی ٹھوکریں تم ہمیں لگاؤ گے۔ خدا کی قسم پہلے سے بڑھ کر زیادہ طاقتور اور صاحبِ عزم ہوتے چلے جائیں گے۔ جتنا تم ہمیں دبانے کی کوشش کرو گے پہلے سے سینکڑوں گنا طاقت کے ساتھ اُبھریں گے۔ تم یہ حسد کرتے رہو کہ ہمارا مقام ہمالہ کی چوٹیوں تک پہنچ گیا ہے۔ تو ہم تمھیں بتاتے ہیں کہ اس مقام سے گرانے کی کوشش کرو گے تو ہم

ثریا سے باتیں کرنے لگیں گے۔ اور بلند تر مرتبے اور بلند تر مقام پر جماعت کا قدم اوپر سے اوپر بڑھتا چلا جائے گا[1] انشاء اللہ

۹۔ محترم بابو عبدالغفار خاں صاحب مقام شہادت حیدر آباد
۹۔ مئی ۱۹۸۶ء

اے خدا! قلم تو ابھی سجدے سے اٹھا بھی نہ تھا کہ ایک اور شہادت کی خبر آگئی۔ آج ۹۔ مئی ۱۹۸۶ء کو شہید ہونے والا بابو عبدالغفار صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدر آباد نو بڑے بزرگ اور بوڑھے تھے۔ شاید کہ وہ شہادت کے لئے ہی رکے ہوئے تھے۔ وگرنہ پچھلے دنوں انہوں نے اپنے نحیف ہاتھوں سے اپنے دو جوان بیٹے اور ایک جوان پوتے کو سپرد خاک کیا تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ شاید میں دکھ جھیلنے کے لئے ہی زندہ ہوں اور صبر و ہمت کی تصویر بنے یہی سوچتے تھے کہ خدا کو اسی طرح منظور ہے۔

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

خدا کی رضا پر راضی رہنے والے جناب بابو عبدالغفار صاحب نہیں جانتے تھے کہ وہ اس لئے زندہ ہیں کہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائیں۔ زندگی اور موت کا وقت معین ہے۔ شہدا کے لئے یہی گھڑی راہ مولا میں فدا ہونے کی ہوگی لیکن شقاوت قلبی اس دشمن کی ملاحظہ ہو جس نے اپنے بے وجہ انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرتے ہوئے یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ عمر کے کس دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ وہ دوکان میں بیٹھے اپنے کام میں مصروف تھے کہ ظالم دبے پاؤں سے داخل ہوا اور سفاکانہ طور پر ان کی گردن کاٹ کر فرار ہو گیا۔ ان کی گردن تن سے جدا کر کے ان کے لئے تو رحمتوں کے دروازے کھول گیا لیکن اپنے لئے جہنم کی آگ خرید لی۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔

"جس نے عمداً کسی کو قتل کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے"

---

[1] (خطبہ جمعہ ۱۴ مارچ ۱۹۸۶ء

جنابہ رخسانہ شہید ۱۷- اگست ۱۹۸۶ء

میں اکثر سوچتی تھی کہ خطۂ سندھ میں ہی ایک درجن کے قریب مرد مومن "شہادتِ راہِ مولیٰ" کو گلے لگا چکے ہیں۔ وہ اور اُن کی نسلیں قیامت کے دن سرخرو ہونگے کہ احمدیت یعنی حقیقی دین کی آبیاری انھوں نے اپنے خون سے کی تھی۔ اور اپنی جانوں کا چندہ پیش کیا تھا۔ جبکہ ہم مستورات صرف اور صرف مالی قربانی پیش کرنے میں مردوں سے آگے بڑھنے کی سعی کرتی رہی ہیں۔ لیکن آج ۲۰ جون کا خطبۂ جمعہ درد میں لپٹی ہوئی سعادت کا پیغام ہمارے لئے لے آیا۔ کہ مردان کی ایک بہن نے شہداء کی صف میں جگہ پا کر ہمیں ورطۂ تاسف میں کسی طرح بھی نہیں رہنے دیا۔ وہ عظیم خاتون کربِ دبلا کے اس دور کی پہلی شہیدہ ہیں جو عید کے دن عید کے لباس میں ہی اپنے حقیقی مولیٰ سے جا ملیں۔ حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع نے اپنے خطبہ میں فرمایا! "یہ وہ سعادت ہے جس کی خبر میں دینا چاہتا ہوں۔ جو نہ مٹنے والی سعادت ہے۔ جو اس دور کی قربانیوں میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہی ہے۔ ایک نیا سنگ میل رکھ رہی ہے۔ کیونکہ احمدی خواتین میں سے ایک پہلی خاتون ہیں جنھیں اس دور میں اللہ کی خاطر جان دینے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ ان کا نام رخسانہ ہے اور ان کے خاوند طارق احمدی تھے۔ لیکن طارق صاحب کے بھائی بشارت احمدی نہ تھے۔ اور حضرت بانیٔ سلسلۂ عالیہ احمدیہ کے خلاف بدزبانی کرتا تھا۔ اور اپنی بھابی کو عبادت سے روکتا تھا۔ اور احمدیہ دارالذکر میں جانے پر قتل کی دھمکیاں دیتا تھا۔ چنانچہ عید کے روز جب رخسانہ اور طارق عید کی نماز پڑھ کر واپس آئے تو بشارت نے اپنی بھابی سے جھگڑا کیا کہ کیونکہ تم احمدیوں کے ساتھ نماز پڑھنے گئی تھیں اور پھر اسی دوران تین فائر کر کے رخسانہ کو قتل کر دیا۔

رخسانہ تو شہادت کا درجہ پا گئیں۔ لیکن اپنی ماؤں۔ بہنوں اور بیٹیوں کے لئے عظمت کا مینار کھڑا کر گئیں جو مشعلِ راہ کا کام کرے گا۔ انشاء اللہ۔

رخسانہ میری بہن! بیشک تم نے یومِ عیدِ قربان پر راہ مولیٰ میں سر کٹا کر ہمارے سر بلند کر دیئے ہیں۔ دعا ہے کہ خداوندِ عالم تمہیں قربتِ سرورِ کائنات محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین

باب نہم

سزائے پھانسی

اللہ لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ وھو اللطیف الخبیر

اسیرانِ راہ مولیٰ کے لئے سزائیں جو حکومت نے تجویز کیں ۔ وہ اپنی جگہ ایک دل ہلا دینے والی داستان ہے ۔ اور جو واقعات صرف سرزمین سندھ میں ہی دلجن تک پہنچ گئے ۔ وہ تو بکے ہوئے اور بزدل ذہنوں کا عمل تھا ۔ جو انھوں نے علمائے سوء کے اکسانے پر اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے کئے تھے لیکن جن واقعات کی طرف ہم اب آرہے ہیں ۔ وہ ایک اونچے پیمانہ پر سوچی سمجھی تخریب کاری کے نتیجہ میں عمل درآمد ہوئے ہیں ۔ سنہ ۱۹۸۴ء کا مذہبی آرڈیننس بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ مارشل لاء کا کام نہیں تھا ۔ کہ ایک جرنیل اور چیف آف آرمی سٹاف کلمہ ، مسجد اور اذان کے لئے نہ صرف احکامات جاری کرے بلکہ اس آڈر کے پیچھے بھی ہاتھ دھو کر پڑ جائے ۔ وہ ہر جگہ دھمکی دیتا پھرے کہ ان سے میں خود نبٹ لوں گا ۔ جیسے کہ مارشل لا ایڈ منسٹریٹر نے واضح طور پر کہا کہ "اس آرڈیننس کی خلاف ورزی کرنے والوں سے سختی سے نبٹا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ بھی سخت ہو گی [1]" گویا اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا ہرکارہ بھی ان کے ہاتھ میں ہے آج کل

---

[1] نوائے وقت جمعۃ المبارک ۱۱ مئی ۱۹۸۴ء ۹ شعبان

لیکن

توجہ طلب بات یہ ہے کہ ۹ کروڑ آبادی والے ملک کے جرنیل اور کمانڈر انچیف ایک چھوٹی سی پاکستانی آبادی کے خلاف احکامات نافذ کرتے ہیں - دھمکیاں دیتے ہیں - خود ہی یوم تشکر مناتے ہیں - خود ہی پھانسی کی سزاؤں کی توثیق کرتے ہیں - آخر کیوں ؟

یوں معلوم ہوتا ہے کہ آبادی کا یہ حصہ جس کو وہ آٹے میں نمک کے برابر قرار دیتے ہیں ان کے اعصاب پر بُری طرح سوار ہے - قارئینِ کرام !! کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ زمانہ مستقبل میں اگر میرے پوتے نواسے ماضی میں جانا چاہیں گے تو میں انھیں ماضی کے واقعات سناؤں گی کہ کس طرح ایک مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے کلمہ لکھنے پڑھنے سجانے اور مزین کرنے پر فوجی عدالتیں جاری کر دی تھیں وہ اذان (جو صرف نماز پر بلانے کی ایک صدا ہے) دینے پر مؤذن کو پابند سلاسل کر دیتا تھا - اور اس قید میں ضمانت قبول نہیں ہوتی تھی - حتیٰ کہ پھانسی کی سزا دلوا دیتا تھا - تو میرے پوتے ضرور حیرت زدہ ہو کر پوچھیں گے کہ دادی اماں !! آپ تو کہا کرتی تھیں کہ فوجی جرنیل صرف توپ اور بندوق کی بولی جانتا ہے - لیکن یہ کیسا جرنیل تھا جو لفظوں سے کھیلتا تھا اور کلموں سے الجھتا تھا - اور اپنے ہی ملک کے لوگوں کو پھانسی تفریحاً دے دیتا تھا ؟ میرے پاس ایسے کڑے سوال کا کیا جواب ہو گا - سوائے اس کے کہ میں یہ کہہ کر انھیں خاموش کرا دوں کہ بیٹا ! اسلامی تاریخ میں ایک بھیڑیئے کا دودھ پینے والے سربراہ کی خصلتیں اس میں آگئی تھیں اور ذہنی طور پر وہ پستہ قد بھی تھا - سرحدوں کو چھوڑ کر مندروں پر پجاریوں کے ساتھ بتوں سے منتیں مانگتا تھا - اگرچہ وہ اسلام کا ٹھیکیدار تھا - اور ملک کی حالت اس ٹھیکیدار کے وقت میں کیا تھی ؟ ایک مستند ادیب جمعہ خان بہت ہلکے پھلکے الفاظ میں رقم طراز ہیں - کہ " آج نہ صرف ہماری سرحدیں خطرے میں ہیں - بلکہ امن و امان کی حالت انتہائی بگڑ چکی ہے - بے روزگاری میں اضافہ ہوا ہے - مہنگائی بڑھی

ہے ۔علاج کرنا آسان نہ رہا۔ اور غریب زیادہ سے زیادہ غریب ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کو تبدیل کئے بغیر اصلاحات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ جو حکمران اپنے ہی عوام کے خلاف ڈنڈا استعمال کرے اور سیاسی اہلیت نہ رکھنے کے باعث طاقت استعمال کرنے کا عادی بن جائے ۔ وہ اچھا حکمران نہیں ہو سکتا ۔ جنرل ضیاء نہ تو اچھے حکمران بن سکے نہ اچھے سیاستدان بن سکے اور نہ ہی اچھے منظم ثابت ہوئے وغیرہ وغیرہ[1] اسی طرح عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ جناب ولی خان نے نشتر پارک کے جلسہ عام میں جنرل ضیاء الحق سے اسلام کو بخش دینے کی درخواست کی ہے ۔ فرماتے ہیں "کہ جنرل ضیاء اگر اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ابتداء اپنے گھر سے کرنی ہوگی۔ ضیاء نے ریفرنڈم میں اسلام کا نام استعمال کرکے متنازعہ بنا دیا ۔ اسلام کے نام پر لوگوں سے ووٹ لینے سے زیادہ گھٹیا حرکت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ مزید برآں اسلام کا نام استعمال کرنے کے باوجود صرف ساٹھ فیصد لوگوں نے ووٹ دیا جو باعثِ شرم ہے ۔ اگر اس میں ذرا بھی غیرت ہوتی تو وہ چلا جاتا یہاں سے ..... ہماری ان سے درخواست ہے کہ وہ اسلام کو بخش دیں[2] ایک اور ماہر سیاست داں رسول بخش بلیجو ملک کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "پاکستان میں بیروزگاری کا سانپ پھن پھیلائے پورے ملک خصوصاً سندھ پر لہرا رہا ہے ۔ دریائے سندھ خشک ہو گیا ہے ۔ لوگ خود کو آفت کے جنگل میں پھنسا ہوا محسوس کرتے ہیں" اور یہ حقیقت ہے کہ صرف ماہ جولائی ۱۹۸۶ء میں سندھ کی دھرتی پر قتل کی سولہ وارداتیں بڑی رقموں کے تاوان کے لئے ڈاکوؤں کے ہاتھوں تقریباً ایک درجن مسلح ڈکیتوں کی وارداتیں ہو چکی ہیں۔"[3]

محترم قارئین !! ضیاء کے متعلق ماہرین کی سوچ کہاں تک درج کروں ۔ اپنے خلیفہ وقت حضرت مرزا طاہر احمدؒ کی جامع اور مستند رائے پر اکتفا کرکے آگے چلتے ہیں

---

[1] ۔ روزنامہ امن ۸ جولائی ۱۹۸۶ء [2] کالم ۱ روزنامہ امن ۲۸-جولائی ۱۹۸۶ء
[3] روزنامہ امن اگست ۴ صفحہ ۲ کالم ۱

اپ فرماتے ہیں کہ " دنیا کی تاریخ میں کبھی کسی صدر کے منہ سے ایسے جاہلانہ کلمات آپ نے نہیں سُنے ہوں گے ۔ جیسے یہ کلمات ہیں ۔ عجیب وغریب بارش ہے عرفان کی کہ دنیا کے کسی بھی پیمانے کی رو سے نور کا کوئی بھی پہلو نہیں ہے ۔ شرافت کے لحاظ سے دیکھیں ۔ سیاسی اعتبار سے دیکھیں ۔ کسی بھی اعتبار کی رو سے کوئی روشنی نظر نہیں آئے گی ۔ محض تاریکی ہے "۔ [1]

آج پھر مارچ ۱۹۸۶ء سکھر سے دو نوجوانوں کو سزائے پھانسی کی خبر آیا ہے ۔ خدا جانے جمادی الثانی کا بیچارا مہینہ دو دفعہ ایک ہی قسم کی المناک خبر سُننے کا کیسے متحمل ہوا ہے ۔ اسی مہینے میں حکام بالا نے چار ہنستے بستے گھروں کو بربادی کا پیغام سُنایا ہے ۔ کیا ہوا ؟ آج پھر ۴ مارچ کو میرے پیارے لوگوں کو سزائے موت سنا دی گئی ہے پھر اُسی حاکم نے موت کی توثیق کر دی ہے جس نے چند دن پہلے دو صدیق جیالوں کو شہادت کا پروانہ دیا تھا ۔ یعنی ۱۶ ۔ فروری ۸۶ء کو صدائے خونِ ناحق صدر مملکت جنرل ضیاء نے بلند کی تھی ۔ یہ خون کلمہ دشمنی کی وجہ سے ہو رہا ہے ۔ کلمہ کھرچنے اور حرفِ غلط کی طرح مٹانے پر اسلام کے ٹھیکیدار سزائیں نہیں دیتے بلکہ مٹانے اور کھرچنے سے منع کرنے پر پھانسیاں دی جا رہی ہیں ۔ دینے والا بھی فوجی قاضی ہے ۔ یعنی فوج کی دار القضا ہی کر رہی ہے ۔ اور فوج بھی اُس سرزمین کی " جسکو " اسلام " نافذ کرنے کا جنون ہے ۔ واللہ اعلم یہ جنون کیوں ہے ؟ کیسا ہے ؟ جو تباہیوں کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے ۔ حالانکہ اسلام تو امن وسلامتی کا مذہب ہے ! لیکن یہاں تو نظامِ مصطفےٰ نافذ کرنے والے گلیوں اور بازاروں میں سر کاٹتے پھرتے ہیں ۔ اور مخالفین اسلام کو بطور ثبوت مصدقہ نمونہ پیش کرتے ہیں کہ اسلام بیشک تلوار کے زور سے پھیلا ہے (نعوذ باللہ) حیف ہے اے علمائے سوئم پر کہ تم خود ہی معترضین کی صف میں جا کھڑے ہوئے ہو ۔ میرے وطن کے حاکمو ! تم نے یہ کیا ظلم کیا کہ سکھر اور ساہیوال کے دو شہروں میں توحید کی صدا بلند کرنے والوں کو تختۂ دار پر کھینچنے کی سزا

---

[1] : خطبہ جمعہ ۔

خود سنادی ۔ تم نے رحمٰن کے کلمہ کو کھرچنے پر منع کرنے والوں کو ہی جلادوں کے سپرد کر دیا۔ خُدا کا خوف کرو کہ آئندہ نسلیں شرمسار ہوا کریں گی ۔کیوں بھول گئے ہو کہ ۔

" اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ساری دنیا کی طاقتوں کی گردنیں ہیں۔ پتہ نہیں دُنیا کے متکبر کیوں ان باتوں کو بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ٹکر لینا ایک بہت ہی بڑا جہالت کا کام ہے۔ خودکشی ہے۔ اور جب انسان ایسے مقام پر فائز ہوتا ہے جہاں قوم کی نمائندگی کرتا ہے۔ تو قومی خودکشی بن جاتی ہے۔ اس لئے ہم تو حرفِ نصیحت کے طور پر صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ فعل نہ کرو۔ اگر تم کلمے مٹاؤ گے تو خدا کی قسم خدا کی غیرت کا ہاتھ تمھیں لازماً مٹادے گا اور کوئی دنیا کی طاقت تمہیں بچا نہیں سکے گی"[1]

ساہیوال

۲۶ اکتوبر ۱۹۸۴ء صبح سویرے کلمۂ توحید کے مالکوں نے اپنی اجارہ داری ثابت کرنے کے لئے کلمہ کو ساہیوال کی بیت الذکر سے نوچ پھینکنے کا عزم کیا ۔ اور بلوہ کر دیا ۔ ہجوم شتر بے مہار کی طرح آگے بڑھا لیکن خدا کے کلمہ کی حفاظت کرنے والے شیر وہاں موجود تھے ۔ جنھوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کلمہ کی حفاظت کی اور کھرچنے نہ دیا ۔ جبکہ " وہ باقاعدہ برش اور پینٹ ساتھ لائے ہوئے تھے تاکہ جہاں جہاں کلمہ شہادت لکھا ہوا ہے مٹا دیں ۔ چنانچہ باہر کی دیوار پر اور باہر کے دروازے پر سے مٹانے میں کامیاب ہو گئے مگر اندر کا جو دروازہ ہے اس پر سے جب وہ کلمہ مٹانے لگے تو چند نوجوانوں نے جو موجود تھے مزاحمت کی اور کہا کہ کسی قیمت پر بھی خواہ ہماری جانیں جائیں تمھیں مسجد سے کلمہ مٹانے نہیں دیں گے ۔ چونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اس لئے ایک کو باہر ہی پکڑ لیا اور باقیوں کو قتل کی دھمکی دیتے ہوئے بیت الذکر پر حملہ کر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی ۔ اس وقت وہاں ایک احمدی نوجوان نے

---

[1] خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ۳۰ نومبر ۱۹۸۴ء

بندوق سے دو فضائی فائر کیے تاکہ ڈر کر بھاگ جائیں۔ اور ڈر کر کچھ دیر کے لئے وہ بھاگ بھی گئے۔ لیکن کچھ دیر کے بعد اُن کے مولویوں نے کہا۔ یہ تو پٹاخے تھے کس بات سے ڈرتے ہو؟ چنانچہ وہ دوبارہ ہلہ بول کر اندر آگئے۔ اس وقت اپنی جان کے خطرے کے پیشِ نظر یا اس اعلیٰ مقصد کے لئے کہ کسی قیمت پر بھی بیت الذکر سے کلمہ توحید کو نہیں مٹنے دیں گے۔ اس نوجوان نے دو فائر کیے۔ نتیجہ میں دو حملہ آور وہیں زخمی ہو کر گر گئے اور وہیں جان دے دی۔ باقی بھاگ گئے۔ عملاً گولی تو ایک نوجوان نے چلائی لیکن گرفتاریاں گیارہ عمل میں آئیں۔ بعد میں دو کو موت کی سزا سنادی گئی۔ باقیوں کو عمر قید ۲۵۔۲۵ سال بامشقت کا فیصلہ سنایا گیا۔

قارئین کرام اگر انصاف کی عینک سے دیکھیں تو ایک کے بدلے گیارہ گرفتاریاں عمل میں آتی ہیں۔ اور وہ لوگ جو گاؤں میں آٹھ آٹھ دس دس میل دور گھروں میں بیٹھے ہیں۔ حوالات کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ کسی کی جائے وقوعہ سے غیر حاضری کسی کا بوڑھاپہ۔ کسی کی جوانی اور کسی کی لاعلمی۔ سازشوں اور گندے منصوبوں کے آڑے نہیں آیا کرتی۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ ظالمانہ فیصلے کرنے والے سازشی نفوس ہمیشہ سزا پہلے اور عمل بعد میں تجویز کرواتے ہیں۔

لیکن

وہ کیا جانیں کہ پاکستان کے چپہ چپہ پر کلمہ مٹانے والوں کو سرپیش کرنے والے جیالوں کا سامنا ہے۔ وہ کیا جانیں کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ۱۴۰۰ سال پہلے والا جواب تا حال زندہ و پابندہ ہے۔ وقت کا کوئی کلمہ بھی اس میں نرمی پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ کیا جانیں کہ کسی آمر کی یہ بات تسلیم نہیں کی جائے گی کہ تم کلمہ چھوڑ دو۔ کیونکہ تمھیں قانون اس سے منع کرتا ہے۔ اپنا حق اپنے ہاتھوں سے ترک کر دو۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ جو چاہو کر گزرو۔ ہم دیکھیں گے کہ ہمارا خدا اُن سے زیادہ طاقتور ہے یا وہ خدا سے زیادہ طاقتور ہیں۔ اور جب کبھی آمر کو خدا کے ایسے بندوں کا سامنا ہو جائے جو چندہ میں اپنی جانیں دینے کے عادی ہیں تو آمر کو جان لینا

چاہئے کہ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِی۔ پر ہمارا کامل یقین ہے۔

سنانے والے افسانے ہم کے
کبھی دیکھے بھی ہیں بندے خدا کے

اگر معمولی سی واقفیت تاریخ اسلام سے اُسے نصیب ہوئی ہو تو اُسے یاد ہوگا کہ "ایک دفعہ ایک جابر آمر نے یمن کے گورنر کے ذریعے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام پہنچایا تھا کہ تمہاری گردن ہمارے ہاتھ میں ہے۔ حکم سنتے ہی چلے آؤ۔ آپؐ نے دُعا اور استخارہ کے بعد جواباً یہ پیغام بھیجا کہ اُس سے جاکر کہہ دو کہ میرے خدا کے ہاتھ میں اس کی گردن ہے۔ اس لئے میرے خدا نے مجھے بتایا ہے کہ ہم نے آج اُسے ہلاک کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ساری دنیا کی گردنیں ہیں۔[1]"

جب آج بھی ایک جابر آمر نے گردن زنی کا حکم دیا تو سن کر اُس معصوم نے اپنے آقا کو لکھا "جب فیصلہ سنایا گیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے جسم میں تسکین بھر دی گئی ہے۔ بے اختیار الحمدللہ کے کلمات منہ سے نکلے اور یوں لگا جیسے سارے بوجھ اُتر گئے ہیں۔ ارد گرد سخت افسوس کا ماحول تھا ہم خوش ہو رہے تھے۔ دیکھنے والے ہمیں خوش ہوتا دیکھ کر حیران ہو رہے ہوں گے مگر ہم تو افسانہ بنی ہوئی تاریخ کو زندہ کر رہے تھے۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ "پیارے آقا ہم جو خادم کے عہد میں جان قربان کرنے کا وعدہ کیا کرتے تھے۔ آج وقت آیا ہے کہ اس وعدہ کو نبھانے کا۔ بیشک ہم بہت کمزور ہیں۔ اور گناہ گار ہیں۔ لیکن آج ہمارے مولیٰ نے اسلام کے احیاء نو کے لئے ہمیں چنا ہے تو ہم اپنی پوری ہمت اور طاقت کے ساتھ لبیک لبیک کہتے ہوئے اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوں گے انشاء اللہ العزیز۔ اور ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ایک وجود کے بدلے میں ہزاروں لاکھوں وجودوں کو زندگی ملے گی۔ جو قیامت تک دشمنوں کے لئے جلن اور سخت سوزش کا موجب بنی رہے گی۔[2]"

---

[1] خطبہ جمعہ ۳۰ نومبر ۱۹۸۴ء — [2] الفضل انٹرنیشنل مئی ۱۹۸۶ء ربوہ

تو یہ تاثرات وہ ہیں جو محمد الیاس منیر صاحب مزبی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے پھانسی کی سزا سننے کے بعد محسوس کیئے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس جماعت کے افراد اسلام کے ایک رکن کلمہ طیبہ کے لیے جانیں پیش کرنے کے لیے قطاروں میں کھڑے ہیں وہ باقی ارکان اسلام پر کس قدر پابندِ عمل ہوں گے؟؟

کیا یہ اسلام کی توہین نہیں ہوگی کہ اگر انھیں غیر مسلم کہا جائے جبکہ اسلام کی بنیاد انھیں ارکان پر ہے اور آج جماعت کا ہر رکن جسے آپ خود کو مسلمان لکھنے کی اجازت نہیں دیتے، کہنے کی اجازت نہیں دیتے اور بولنے کی اجازت نہیں دیتے کہ اللہ کے حضور خود کو حقیقی اور سچا مسلمان سمجھتا ہے۔ اَلحَمدُ علیٰ ذالك اور یہی اس کی فلاح کی نوید ہے۔ ثم الحمد اللہ

سکھر

سندھ کا یہ شہر ایک ایسا مقام ہے جہاں احمدیوں کے خون ناحق کے کئی داغ ثبت ہو چکے ہیں۔ گرفتاریاں۔ بے سروسامانیاں اور نقل مکانی کی عجیب دُکھی داستانیں اس شہر سے وابستہ ہیں۔ حد تو یہ ہے اس شہر کے رہنے والوں نے گرجا اور مندر دونوں کو مسمار کر کے اپنی عبادت گاہوں یعنی مساجد کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور یہ بھول گئے کہ مسجد تو خدا کا گھر ہے اور اگر خدا کا گھر جلاؤ گے تو اپنا گھر جلے گا ضرور جلے گا۔ جلد یا بدیر چنگاریاں اپنے گھروں سے بھی چمکیں گی اور راکھ کا ڈھیر بنا دیں گی۔

لیکن

اے علمائے سکھر! " تاریخ عالم میں اس طرح قوموں کو وسیع پیمانے پر روز روز آزمایا نہیں جاتا۔ اور روز روز قوموں کو یہ توفیق نہیں ملا کرتی کہ خدا کے حضور دُکھ اٹھانے کی آزمائش میں کامیابی سے گزر جائیں۔ بہت کم قومیں ایسی نظر آتی ہیں کہ جو اس شان کے ساتھ امتحان میں پوری اتری ہوں جس طرح جماعتِ

احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے۔"

یاد رہے کہ جماعت احمدیہ ساہیوال ہو یا سکھر ایسے نظارے پیش کرتی ہے "جو آسمان کی آنکھ کم دیکھا کرتی ہے، مرنے والے تو روز مرتے ہی چلے جاتے ہیں ہزار قسم کی موتیں ہیں، کروڑوں انسان مر رہے ہیں لیکن ان کروڑوں انسانوں کی موت پر آسمان میں جنبش نہیں ہوتی۔ وہ چند نفوس جن کو ایسی موت نصیب ہو کہ آسمان لرز اٹھے ان کی موت سے اور ملائکہ ان پر درود بھیجنے لگیں تو یہ موتیں قابلِ رحم نہیں ہوتی یہ تو قابلِ رشک موتی ہیں۔"

(بحوالہ خطبات امام جماعتِ احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع)

اور جب ہم ان قابلِ رشک موتوں کی طرف آتے ہیں تو سب سے پہلے سکھر میں ہی امیر جماعتِ احمدیہ قریشی عبدالرحمٰن صاحب ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ نے اسی سال تک زندہ رکھا اور وہ اس دن کا انتظار کرتے رہے کہ ملائکہ ان پر درود و سلام بھیجیں اور وہ طبعی موت قابلِ رحم موت نہیں فوت ہوئے بلکہ قابلِ رشک زندگی گزار کر قابلِ رشک موت پا ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے۔ لیکن ان کی شہادت بھی علماء سکھر کے دل ٹھنڈے نہ کر سکی۔ اور انھوں نے ہر آنے والے موسم میں معصوم لوگوں کے خون سے زمین سکھر کی آبیاری کرنی شروع کر دی۔ اور پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود سرکار اس داستانِ کربلا میں آ شامل ہوئی۔ فوج نے قسمت آزمائی کی۔ اور صدر پاکستان نے رہی سہی کسر توثیق پھانسی سے پوری کر دی۔

ہوا یوں کہ ایک مسجد میں بم پھٹا اس کے نتیجے میں دو طالب علم موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔ اور کچھ زخمی ہوئے اور فوری طور پر علماء نے اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کہ یہ بم قریشی عبدالرحمٰن شہید کے بچوں نے رکھا تھا۔ پہلی ایف آئی آر میں دو نام درج کرائے۔ یعنی رفیع احمد قریشی اور پروفیسر ناصر احمد قریشی جو کہ دونوں عبدالرحمٰن قریشی شہید کے بیٹے ہیں۔ اس پر جلوس وغیرہ نکالے گئے۔ اور فحش کلامی بھی کی گو کہ عوام ان کے ساتھ نہیں تھے۔ یہ جلوس زیادہ سے زیادہ

۱۵۰ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ جو تقریباً تمام ملاں تھے۔ یا مسجد میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا۔ تھے۔

اور انتقام اپنے ہاتھوں سے اس طرح لیا کہ احمدیوں کی دو کانیں لوٹ لیں۔ اور پولیس میں بیان درج کرایا کہ قریشی کے بیٹے بھاگتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ اور پولیس کی کارروائی فوری طور پر یہ ہوتی کہ ان دونوں کو اپنے گھروں سے اس طرح قید کیا کہ ساری گھر کی چیزیں الٹ پلٹ کر کے بیوی بچوں کو گھر سے نکال دیا گیا اور ان کو قید کر کے جب لے گئے تو پولیس نے سارا سامان لوٹ لیا۔ تمام قیمتی اشیار غائب کر دیں اور اس طرح سکھر کی پولیس بھی اسلام کی خدمت میں شامل ہو گئی۔

باقی رہ گئی فوج

تو فوج کی تصویر صرف دو جملوں میں ایک بزرگ نے بہت نمایاں کھینچی ہے۔ آپ فرماتے ہیں "فوج نے جو تصویر بنائی ہے۔ پاکستان میں وہ بدقسمتی سے ایسی ہے کہ جو بد دیانتی سول نہیں کر سکتی جو ظلم و سفاکی پولیس نہیں ہو سکتی وہ فوج ضرور کرے گی۔" یہی وہ تصویر تھی جو علمائے دل و دماغ پر چھپاں تھی۔ اس سے تو وہ اس حد تک زور دے رہے تھے کہ مقدمہ فوج کے سپرد کیا جائے۔ اور یہاں تک دھمکی دیتے تھے کہ وہ سکھر کو آگ لگا دیں گے اگر یہ مقدمہ فوجی عدالت میں پیش نہ ہوا۔ سکھر کو آگ لگانے والی دھمکی یہ واضح کرتی ہے کہ فوجی عدالت کس حد تک غیر جانبدار تھی؟

بہر حال یہ مقدمہ فوج کے سپرد کر دیا گیا۔ یہاں میں قارئین کے لئے وضاحت کرتی چلوں کہ کیوں سکھر اور ساہیوال کے مقدمات کو میں نے زیادہ تفصیل سے درج کرنا چاہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمام صعوبتیں لمبی قیدیں اور تمام کلمہ طیبہ کی مہمیں اصل میں علماء۔ مُلاں حضرات بے خبر عوام اور بزدل ذہن اور پولیس کی کارکردگی پر مشتمل ہیں۔ لیکن پھانسی کے مقدمات جو سکھر اور ساہیوال شہر سے تعلق رکھتے ہیں،

فوج کی جانب دارانہ سوچ کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان پر واضح روشنی ڈالی جائے تاکہ آئندہ نسلوں کو یہ علم ہو جائے کہ پاکستان کے عوام سے فوجِ پاکستان نے محض کلمہ لکھنے، پڑھنے اور لگانے کی بنا پر کیا کیا قربانیاں مانگی تھیں۔

لیکن

اے فوج پاکستان! تجھے یاد رہے کہ احمدی کا یہ ایمان ہے کہ "قربانی کے لئے چنا جانا بھی ایک انعام اور بڑی سعادت ہے۔ خدا تعالیٰ جب کسی قربانی کے لئے چنتا ہے تو اس میں یا اس کے خاندان میں کوئی بات وہ دیکھتا ہے۔ ان کے اندر تقویٰ کی کوئی ایسی روح نظر آتی ہے یعنی کوئی ایسی قربانی کی تمنا دکھائی دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔" اور آج احمدی نے ہر جگہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ "خدا کی قسم اگر جسم کا قیمہ بھی بنا دو گے تو ہر بوٹی کے ہر سانس سے کلمہ طیبہ ہی بلند ہو گا۔ اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔" یاد رہے کہ یہ ایک زندہ جماعت ہے۔

ہر دو مقدمات کے فیصلے پھانسی پر ختم ہوتے ہیں۔ اور سزا کی توثیق کرتے ہیں، ضیاء الحق صدرِ پاکستان چیف آف آرمی سٹاف اینڈ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر۔

ذرا ملاحظہ ہو۔

معزز قارئین! یہ وہی نقطہ ہے جس کی وضاحت کی کوشش میں نے مندرجہ بالا صفحات میں کی ہے۔ میری یہی کوشش رہی کہ اس خونی باب کا ماخذ کیا ہے۔ اس پر تفصیل سے روشنی ڈالوں کہ کس کا ہاتھ اور کس کا دماغ ہے! اس کا جواب زیادہ پیچیدہ نہیں ہے بلکہ اگر پاکستان کے شب و روز پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو واضح ہو جائے گا کہ اس سارے عمل میں فقط ملاّں کا طبقہ کارفرما ہے۔ اور ملاں کون ہے؟ یہ وہ طبقہ ہے جسے اپنے مخصوص اسلام کے نفاذ کے لئے صدرِ پاکستان نے آواز دی ہے؟ قوم صدر اور ان علماء کی ملی بھگت کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتی ہے، قوم یہ بھی جانتی ہے کہ سرورِ کائنات محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۴۰۰ سال قبل ان کے بارے میں کن الفاظ میں خبردار کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ "علماء آسمان کے نیچے بدترین

مخلوق ہوں گے۔ ان میں سے ہی فتنے اٹھیں گے اور ان میں ہی لوٹ جائیں گے۔
(مشکوٰۃ کتاب العلم فصل الثالث)

اب اس عظیم الشان آگہی کے بعد حاجت تو نہیں ہے کہ کوئی حوالہ دوں جو علماء اور موجودہ ملاں کی پوزیشن کو واضح کرے۔ تاہم چند جملے امامِ وقت حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع کے بھی بہر از دیاد علم پڑھتے چلیں۔

"ملاں کی کوئی ٹانگ نہیں ہے"

حکومت کرنے کی کوئی ٹانگ نہیں ہے، کوئی جواز نہیں ہے کہ یہ حکومت پر آئے۔ اس کو کوئی دنیا کے نظم و نسق سے تعلق ہی نہیں ہے۔ اس کو فہم ہی نہیں ہے کہ سیاست ہوتی کیا ہے؟ اس کو تقویٰ کا بھی علم نہیں ہے۔ اس کو عدل کا بھی علم نہیں ہے، اس کو انصاف کا بھی تصور نہیں ہے۔ دنیا کے جغرافیہ تک سے بھی ناواقف ہے۔ آج تک یہ بھی نہیں جانتا کہ چاند تک بھی کوئی انسان پہنچ سکتا ہے۔ ... چونکہ دل تقویٰ سے خالی ہے اس لئے علم نیکی پھیلانے کی بجائے ظلم اور سفاکی پھیلانے کے لئے استعمال ہو رہا ہے[۱]" یہ ایک مختصر سی ملاں کی تعریف ہے جو آج ہر اجتماع میں۔ ہر منبر و مسجد سے صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ ہاں قوم کو بھی یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ پہلے صدر ضیاء الحق نے خود ملاں حضرات کے لئے اپنی رائے کچھ ان جملوں میں بیان کی تھی۔ فرمایا تھا:۔

"یہ ان پڑھ بھی اپنے آپ کو امامِ مسجد قرار دیتے ہیں۔ ان اماموں سے قوم کیا توقع کرسکتی ہے۔ جو صرف جمعرات کی روٹی پر تکیہ کرکے جی رہے ہیں جبکہ قوم کو حقیقی اماموں کی ضرورت ہے[۲]"

لیکن

حقیقی امام کون ہے اس کی وضاحت صدر صاحب خود ہی کر دیتے تو خوشکن

---

[۱] خطبہ جمعہ فرمودہ امام وقت۔ [۲] بحوالہ جنگ لاہور یکم فروری ۱۹۸۵ء

ہوتا کیونکہ وہ ... موصوف خود اماموں کے امام ہیں - ان کو ساتھ لے کر چلتے ہیں
اور ان کے ساتھ خود چلتے ہیں مثلاً شریعت بل پر غور کر لیں۔ اور اگر سکھر کے فیصلہ پر
بغائر مطالعہ کریں تو قرائن یہ ثابت کریں گے کہ صدر پاکستان ایمان بالآخر کے
قائل ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے ؟

" کہ خدا پر کامل یقین رکھتا ہو کوئی شخص اور جانتا ہو کہ مرنے کے بعد
اس کی گردن خدا کے ہاتھوں میں ہوگی اور جانتا ہو کہ وہ منتقم ہے اور اس کی
پکڑ سے کوئی طاقت بچا نہیں سکتی ۔" اور شاید صدر ضیاء صاحب کی ڈکشنری میں
کوڑے اور پھانسی کے علاوہ کوئی لفظ ہی نہیں ہے ۔ جو ان کی بالادستی ثابت کر سکے۔
اے کاش! وہ کبھی تو اپنی آخرت یاد کر لیتے ۔ کیسی جامع بات امام جماعت فرماتے ہیں۔
کہ " جواب دہی کے تصور سے تو دنیا لرزتی ہے۔" کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک
شخص جو خدا کے نام پر ظلم کر رہا ہو۔ اور ایک معصوم انسان کے متعلق قتل کا فیصلہ کر رہا
ہو۔ اُسے خدا پر ایمان ہو کہ وہ قیامت کے دن " جواب دہ " ہو گا ۔ یہ مقدمہ تو
شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اس فیصلے
کی توثیق صدر نے خود کی ہے اور فخر کے ساتھ اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ اس کے
ذمہ دار صدر پاکستان ہیں اور انہی کی توثیق سے یہ سزا جاری کی جا رہی ہے ۔ یہ
پہلو تعجب انگیز ہے کہ دنیا بھر میں قتل ہوتے ہیں۔ مقدمات ہوتے ہیں۔ سزائیں ملتی
ہیں۔ لیکن ملکوں کے صدر کبھی اپنے نام کو ان باتوں میں ملوث نہیں کرتے ۔ عدلیہ کی
کارروائی ہوتی ہے۔ سچی ہو یا جھوٹی ... لیکن ایک ملک کا صدر یہ اعلان کرے کہ جو قتل
ہوئے ہیں اس کا فیصلہ میں نے کیا ہے ۔ یہ بات نہ صرف عموماً تعجب انگیز ہے بلکہ اس لئے
بھی کہ یہ فیصلہ کرنے والے کی دہریت کی علامت بتاتی ہے ۔ دہریت سے پردہ ہٹاتی
ہے ۔ دنیا کے نام پر مظالم کرنے والے بعض اوقات خدا کے قائل بھی ہوتے ہیں ۔ اور
غفلت میں ظلم کر جاتے ہیں۔ لیکن ایک شخص جو خدا کے نام پر ظلم کر رہا ہو... ...
اس لئے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اُسے خدا پر ایمان ہو۔ کہ وہ جواب دہ ہو گا قیامت

کے دن ... چھوٹے بڑے ہر ایک کی گردن اُس کے ہاتھ میں ہے جو شخص اس کی جواب دہی پر یقین رکھتا ہو۔ وہ آنکھیں کھول کر اتنا بڑا فیصلہ اُس کے نام پر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اُس کے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی دنیا کے ظلم بعض دفعہ معاف ہو جاتے ہیں۔ انسان کے اندر پشیمانی اور حیا پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ لیکن خدا کے نام پر ظلم کرنے والے کے لئے بخشش کی کوئی راہ میں نہیں دیکھتا۔ نہ مذہبی اور نہ تاریخ میں تاریخ میں اس قسم کی بخشش کا کوئی ذکر اگر ملتا ہے تو اس لئے کہ کوئی شخص پوری طرح دلیر ہو چکا ہو اور خدا کے متعلق جانتا ہو کہ کوئی خدا نہیں ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہو کہ کوئی جواب دہی نہیں ہے۔ اس لئے اس وقت تک جب تک یہ صورتِ حال نہ ہو کوئی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتا [1]

لیکن

حقیقت یہ ہے کہ صدر صاحب نے ایسا فیصلہ کر دیا تو دوسری شکل اس کی لازمی یہی ہے کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جواب دہی کے قائل نہیں اور دہریت کا جیتا جاگتا شاہکار ہیں۔ چلو آج تو مولانا فضل الرحمٰن سربراہ جمعیت علمائے اسلام نے ہی حکومت کی تصویر کشی کر دی....

بادۂ عصیاں سے دامن تر بہ تر ہے شیخ کا
پھر بھی دعویٰ ہے کہ اصلاحِ دو عالم ہم سے ہے [2]

قارئین کرام! اب تو رفقاء بھی پردہ ہٹانے لگے۔ اسی پر اکتفا کرتی ہوں کیونکہ امام کے لئے مقتدی نے ہی فیصلہ دے دیا۔ تو ٹھیک ہی ہو گا۔

لیکن

جہاں تک جماعتِ احمدیہ کا تعلق ہے یہ معاملہ تو جماعت خدا کے ہاتھ میں دیتی ہے،

---

[1] خطبہ جمعہ فرمودہ خلیفۃ المسیح الرابع [2] ۱۰ اگست ۱۹۸۶ء روزنامہ امن کالم ۸

قرآن سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ایسے فیصلے ہوتے رہے ہیں۔ بعض ظالموں کو ظلم کا موقع بھی مل جاتا تھا۔ لیکن خدا کی پکڑ ضرور ظاہر ہوئی تھی۔ ان کے متعلق دیر سے آئی ہو یا آہستہ آئی ہو۔ خدا کی پکڑنے ایسے صاحبِ جبروت لوگوں کو جو اپنے آپ کو صاحبِ جبروت سمجھتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کو بے طاقت اور بے اختیار خیال کرتے تھے۔ یا اس کے وجود کے ہی قائل نہیں تھے۔ ان کے اس طرح نام و نشان دنیا سے مٹا دیئے کہ

عزت کا ہر پہلوان کے ناموں سے مٹ گیا اور ذلت کے سارے پہلوان کے ناموں کے ساتھ لگے ہوئے ہمیشہ کے لئے زندہ رہ گئے۔ رہتی دنیا تک رحمتوں کی بجائے لعنتوں سے یاد کرنے کے لئے وہ نام باقی رکھے گئے۔ اس لئے ہم تو اس خدا کو جانتے ہیں۔ اُس صاحبِ جبروت کو جانتے ہیں۔ کسی اور خدا کی خدائی کے قائل نہیں۔ اس لئے احمدیوں کا سر ان ظالموں کے ظلم کے نتیجے میں جھکے گا نہیں بلکہ اور بلند ہوگا۔ اور بلند ہوگا یہاں تک کہ خدا کی غیرت یہ فیصلہ کرے گی کہ دنیا میں سب سے زیادہ سربلندی احمدی کے سر کو نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی وہ سر ہے جو خدا کے حضور سب سے زیادہ عاجزانہ طور پر جھکنے والا سر ہے۔" [1]

یہ تو تھا فیصلہ جو ڈکٹیٹر اور صاحبِ جبروت لوگوں کی تقدیر کا سنایا گیا تھا۔ اپنی جماعت کو تاکیدی نصائح سے نوازتے ہوئے فرمایا۔ " اگر خدا نے کسی قوم کو شہادت عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو ہم اس کی رضا پر راضی رہیں گے لیکن میں جماعتِ احمدیہ پاکستان کو یاد دلاتا ہوں۔ کہ اگر یہ شہادت ان کے مقدر میں لکھی جاچکی ہے۔ تو وہ پہلے سے زیادہ عزم اور حوصلہ کے ساتھ اس بات کا عہد کریں کہ جس طرح ان نوجوانوں نے اپنے عہد کو پورا کیا اور خدا کی خاطر اپنے پیارے بیوی بچوں سے منہ موڑا۔ اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کو دیکھا اور اسے خدا کے نام پر قبول کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور یہ فیصلہ کیا کہ کلمۂ شہادت کے ناموس پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ خواہ ان کی گردنیں تختۂ دار پر لٹکا دی جائیں۔ اور یہ فیصلہ کیا کہ

---

[1] خطبہ جمعہ فروری ۸۶ بمقام لندن

وہ اپنی بیوی اور بچوں کی بیوگی اور یتیمی قبول کریں گے لیکن یہ قبول نہیں کریں گے کہ خدا کی عبادت گاہوں کو دنیا کے ذلیل انسان اپنے گندے پاؤں تلے روندیں۔ اور ان کی عظمت کے ساتھ کھیلیں۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ ہر حال میں اور ہر قیمت پر ہر قربانی دیتے ہوئے ہم کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ کی حفاظت کریں گے۔ پس انھوں نے اپنی راہیں متعین کر دیں۔ اور اے پیچھے رہنے والو! کیا تم ان راہوں سے پیچھے ہٹ جاؤ گے ؟؟

آخر میں اپنے پیارے شہید ہونے والے بھائیوں اور بہنوں کو ہزاروں سلام عرض کرتی ہوں۔ اور دُکھی دل کی درد مندانہ دعا کے ساتھ مضمون کو اپنے امام کے الفاظ پر ختم کرتی ہوں۔

"اے خدا اپنی رحمت سے وہ ساری زنجیریں توڑ دے جن میں احمدیوں کو کسی رنگ میں جکڑا گیا ہے۔ وہ ساری پابندیاں دور فرما دے جن پابندیوں کو احمدیت کی روحانی ترقیوں کو روکنے کی خاطر عائد کیا گیا ہے۔ یہ وہ اسیر ہیں تیری راہ میں۔ وہ بھی جو ظاہری طور پر اسیر بنائے گئے ہیں۔ اور وہ بھی جو قانون کے شکنجوں میں جکڑ کر اسیر بنائے گئے۔ جو آج تیرے وعدوں کے منتظر۔ تیری رحمت کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اے خدا! ان ساری زنجیروں کو توڑ کر پاش پاش کر دے۔ اور اگر تو نے غیرت کے نمونے دکھانے کا فیصلہ کیا ہے تو ان سب کو پابند کر دے۔ جو آج ہمیں پابند کئے ہوئے ہیں۔"

آمین یارب العالمین۔

(الفضل انصار اللہ ربوہ مئی ۱۹۸۶ء)

باب دہم

خدا تعالیٰ کی غیرت کے نمونے

۸۶-۱۹۸۵ء کی بات ہے کہ یہ مسودہ میں نے مکمل کر کے وقت کی مہربان نظروں کا انتظار کرتے ہوئے کسی طاق میں سنبھال کر رکھ دیا۔ وقت بھی بڑا مرہم ہے۔ اس مرہم نے بڑے بڑے گھاؤ مندمل کر دیئے اور وہ وقت آگیا جس کا مجھے انتظار تھا۔ الحمد للہ۔

آج صبح دعاؤں کے خیموں سے فرشتوں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی اور نگاہِ خلقت نے کیا دیکھا کہ فرشتے لاغلبن انا ورسلی کی نوید مرہم اٹھائے ان زخمی کونہ دلوں کو لگا رہے ہیں۔ جو چند دن پہلے یہ منحوس خبر با ہوش و حواس پڑھ چکے تھے:۔ یہ خبر "ختم نبوت یوتھ فورس کی طرف سے تھی کہ

"قادیانی گیارہ اپریل اپنی عبادت گاہوں سے کلمہ طیبہ مٹا دیں"[1]

یہ خالی دھمکی نہ تھی بلکہ تفصیل درج کر کے ختم نبوت یوتھ فورس نے یہ مہر لگا دی تھی کہ اگر گیارہ اپریل ۱۹۸۹ء تک قادیانیوں نے ملک بھر میں اپنی عبادت گاہوں سے کلمہ نہ مٹایا تو فورس کے ارکان عبادت گاہوں میں داخل ہو کر کلمہ طیبہ کی عبارت خود صاف کر دیں گے"

جماعتِ احمدیہ (قادیانی بقول ختم نبوت فورس) کلمہ طیبہ کیا مٹائیں گے جبکہ وہ کلمہ کی خاطر گزرے دنوں میں اپنی گردنیں سوغات میں پیش کر چکے ہیں۔ سر دینے والے دیوانے اپنے خون سے کلمہ طیبہ اس دھرتی پر لکھ گئے ہیں۔ کیا پیچھے رہنے والے پیچھے رہ جائیں گے؟ یہ فورس کیا سوچتی ہے کہ صرف چند شہدا تھے جو جان کی بازی

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲ فروری ۱۹۸۹ء

لگ گئے اور پیچھے رہنے والے ان راہوں سے پیچھے ہٹ جائیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ہمارا خدا۔ زندہ خدا جب غیرت کے نمونے دکھانے کے لیے آگے بڑھا تو وہ سلگتے ہوئے انگارے جو ۱۹۸۴ء ۱ اپریل سے ہر قادیانی کے دامن میں بھر دیئے گئے تھے۔ بھڑک اٹھے ور شعلوں میں تبدیل ہو کر آتش فشاں کی شکل اوجڑی کیمپ سے جا نمودار ہوئے۔ یہ کیا ہوا؟

اے یوتھ فورس! یاد رہے کہ کلمہ کا ایک محافظ بھی ہے۔ کلمہ مٹنے سے پہلے ہی فرشتے آئے اوجڑی کیمپ میں آتشزدگی اور دھاکوں سے موت بکھر گئے۔ یاد رہے کہ وہ خدا زندہ ہے جس کے محبوب کا یہ کلمہ در و دیوار کی پیشانی مزین کر رہا ہے۔ جو ساتھ ہی تمہارا زینت مسجد کی طرف بڑھا تباہی کی نذر ہو گیا۔ تم نے یہاں تک دیکھا کہ راولپنڈی اسلام آباد میں قیامت صغریٰ کا نقشہ فرشتوں نے پیش کر دیا۔ ہیروشیما پر بم گرنے کا منظر سامنے آ گیا۔ آج ۱۰ اپریل کو آسمان پر راکٹ ایسے چل رہے تھے کہ جیسے جنگ چھڑ گئی ہو۔ انسانی اعضا فضا میں اڑنے لگے۔ جسم جھلس کر رہ گئے۔ الغرض موت آسمان سے اتری اور تباہی مچا گئی۔ جن کو یہ موت چھو کر گزری۔ وہ بزبانِ حال چیخ اٹھے کہ یہ "عذابِ الٰہی" ہے۔ کیوں نہ ہو؟ خدا کے محبوب کا کلمہ مٹانے والو! خدا اپنی غیرت کے نمونے اسی طرح بستیوں کو ویران کر کے دکھاتا ہے۔

سچے وعدوں والے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے پیاروں کی مدد کے لیے آئے گا۔ کتنا واضح وعدہ ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے اے فورس! یہ وہی خدا ہے جو طوفان نوحؑ سے دشمنوں کو غرق کرتا ہے مگر حضرت نوحؑ علیہ السلام کو اپنی آغوش محبت میں بٹھا کر منزل پر لے جاتا ہے۔ یہ وہی خدا ہے۔ جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کے لیے پانی کو حکم دیا کہ تھم جا اور سمندر کاٹ کر راستہ بنا ڈالا۔

مگر

اے دس اپریل کے سورج تو نے کیسا دن طلوع کیا کہ وہ انگارے اور آہیں جو

مظلوم کا مقدر ہو چکی تھیں ہوا کے دوش پر شعلوں میں تبدیل ہو کر سبزہ زار جنت نشان دامنِ اسلام آباد کو خاکستر کر گئیں۔

؎ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اور اے سورج تو دیکھتا چلا گیا۔ آخر کیوں؟ حالانکہ اگر تو چاہتا تو بارش و آندھی کو راستہ دکھا سکتا تھا۔ مگر خالقِ کُل کے آگے کس کا بس چلتا ہے اور یاد رہے کہ وہ اپنے کاموں سے پوچھا نہیں جاتا۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔

اور اسی طرح ایک دن خدا کے پیارے مرسل کے لیے لوگوں نے آگ جلائی۔ تو خدا تعالیٰ آگے بڑھا اور آگ کو حکم دیا۔ یَا نَارُ کُونِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ۔ لیکن جب ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء اُسی سال تقریباً ۱۲۹ دن قیامتِ اوجھڑی کے بعد خدا تعالیٰ نے آگ جلائی تو آج کون ہے جو آگ کو مخاطب کر کے ٹھنڈا ہونے کا حکم دے۔

آگ جلتی رہی اور تیرہ گھنٹے تک جلی کسی پانی یا سیلاب و طوفان نے ٹھنڈا نہ کیا کیونکہ آج تو خدا کے قہری جلوے کا دن تھا۔ آج تو موعود طاقتوں کا دن تھا۔ آج اُس کے غالب آنے کا دن تھا۔

آج اس کے پیاروں کے غالب آنے کا دن تھا۔

آج وہ تمام موعود طاقتیں غالب آگئیں جب ایک مطلق العنان کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۱۸-۸-۸۸ کی اخبار نے وہ خبر سنا دی جس نے خدا تعالیٰ کی مہرِ عظمت سرِ سنگِ میل پر ثبت کر دی۔ لوگوں کی موت کی توثیق کرنے والا آج اپنی موت کا ایسا سامان کر گیا کہ نام و نشان تک ختم ہو گیا۔ "فضائیہ کی تاریخ میں ۱۳۰ سی فضائیہ کی تباہی کا یہ دوسرا حادثہ قوم کی تاریخ کا وہ یکتا حادثہ ہے جس کے لیے آج سابق وزیرِ اطلاعات و نشریات محترم کوثر نیازی نے برملا کہا اور کھلے عام یہ تک کہہ دیا:

"سر سینکڑوں۔ جہاں میں سروں کی کمی نہیں"

او خدا! قوم کیا یادیں لیے ہوئے ہے۔ یہ کیا ماجرہ ہے کہ حاجی بلور کہتے ہیں کہ آج

پاکستان میں اس حادثہ پر کوئی آنکھ نہیں روئے گی۔ یہ کیا ہوا ؟

" آج ہر فرد کو یہ امید ہے کہ ضیاء الحق کے خاتمہ سے تشدد اور لاقانونیت کا خاتمہ ہوسکے گا۔"

واضح ہو کہ تشدد اور لاقانونیت اور ضیاء الحق کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ آج یہ ساتھ ٹوٹ گیا۔

یہ ساتھ کیا ٹوٹا کہ لوہے کے بار پگھل گئے ہیں۔ اندھیری کوٹھریاں ضیاء ہو گئی ہیں۔ اور ماؤں کی سانسیں واپس لوٹ آئیں۔ لوگو! ضیاء کی ماں کو اس کے بیٹے کا کچھ تو نشان لا کر دو۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ وہ جواں سال رگوں سے خون کھینچ لیا کرتا تھا اور ماؤں کو ہڈیوں اور سروں کی سوغات پیش کرتا تھا۔ ناصر بلوچ کی ماں اور ایاز سموں کی ماں بھی تو ساری رات آسمان کے نیچے کھڑے آہ و بکا کرتی تھیں۔ مگر جواب میں بدنصیب کو ہمیشہ سر سوغات میں ملتا تھا۔ آج لوگو! تم کیوں خوف زدہ ہو گئے۔ آگے بڑھو اور یہ امانت ضیاء کی ماں کے سپرد کر دو اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اقرار کرو۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔

کل ایک جی دار جلوس نے نعرہ لگایا تھا کہ " سر چاہیئے یا حق چاہیئے۔ آج وہ لال کمال کے موہن جو دڑو میں ضیاء الحق حق تو نہ دے سکا سر دے گیا۔ لوگو! تم تو سر مانگتے تھے وہ تو نار کھا گئی۔

کیوں ؟

ایک مسلم قوم کی اذانیں بند کرنے والا۔ چوراہے میں پھانسی دینے والا۔ قرآن مجید پڑھنے پر بلا ضمانت گرفتار کرنے والا۔ آج ایسے بکھرا کہ تابوت میں بھی بند نہ ہو سکا۔ آگ کی تپش نے دو ایکڑ تک چہار اطراف کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور آگ نے سانحہ اوجھڑی کیمپ کے بعد جو ادھر رُخ کیا تو جنرل ضیاء الحق کے ساتھ کئی رفقاء کو بھی نگل گئی۔ عورتیں جو پھولوں کی سی معصوم اور اظہارِ جذبات میں پانی

اخبارِ جنگ ۱۹-۸-۱۹۸۸

کی طرح شگاف ہوتی ہیں یک زبان ہو کر گویا ہوئیں کہ

"سانحہ اوجھڑی کیمپ کے تمام اہم کردار ایک ساتھ دارِ فانی سے

کوچ کر گئے... ان کو عوام کی آہ لگ گئی"

یاد رہے کہ عوام کی آہ میں تاثیر بھی تو فلک شگاف ہوتی ہے!۔

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے کام سے پوچھا نہیں جاتا مگر اپنے وعدے کے مطابق آتا ضرور ہے خواہ وہ دیر سے آئے یا سویر سے۔ اوجھڑی کیمپ میں آئے یا لال کمال میں۔ اپنے پیاروں کی مدد و اعانت کے لیے ضرور آتا ہے۔ وگرنہ

"اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ"

کہنے والا دیوانہ کہلائے۔ پس وہ سچے وعدوں والا آتا ہے اور ہمارا حامی ہو جاتا ہے۔ اور یہی ہماری عبادت کا معراج ہے۔ گو.....

صد سالہ جشن تشکر

گو کہ میرا موضوع دکھوں کی آواز ہے جسے میں نے لفظوں میں سمیٹ کر آپ کے سامنے پیش کیا ہے تا آنکہ کوئی منصف آنکھ دیکھ سکے کہ ہماری حیات میں کلمہ کی کائنات کیسے اثر انداز ہوئی اور یہی کلمہ کی مہم تھی جو یہی صدی کے اواخر میں بخیر و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ الحمد اللہ علی ذالک اس مہم کے لیے ہم نے ہر میدان میں قربانیاں دیں مگر پرچم توحید سرنگوں ہونے نہ دیا۔ بالآخر خدا تعالیٰ کی نصرت و تائید کئی رنگوں میں فتح و ظفر کی نوید سناتی ہوئی آن پہنچی۔ جس کے لیے آج ہر دل جذباتِ تشکر سے لبریز ہے۔ الحمد اللہ ثم الحمد اللہ

طالب دعا

سیدہ حفیظۃ الرحمٰن

۸۸/۱۲/۱۲